# نصرة

سود (ربا) کے بارے میں ایک اہم نوٹ

آخر کار سرکش ٹرمپ کا دورۂ خلیج اختتام پذیر ہوا

بھارت، پاکستان اور جنگ بندی

ٹرمپ نے بھارت کو بچالیا

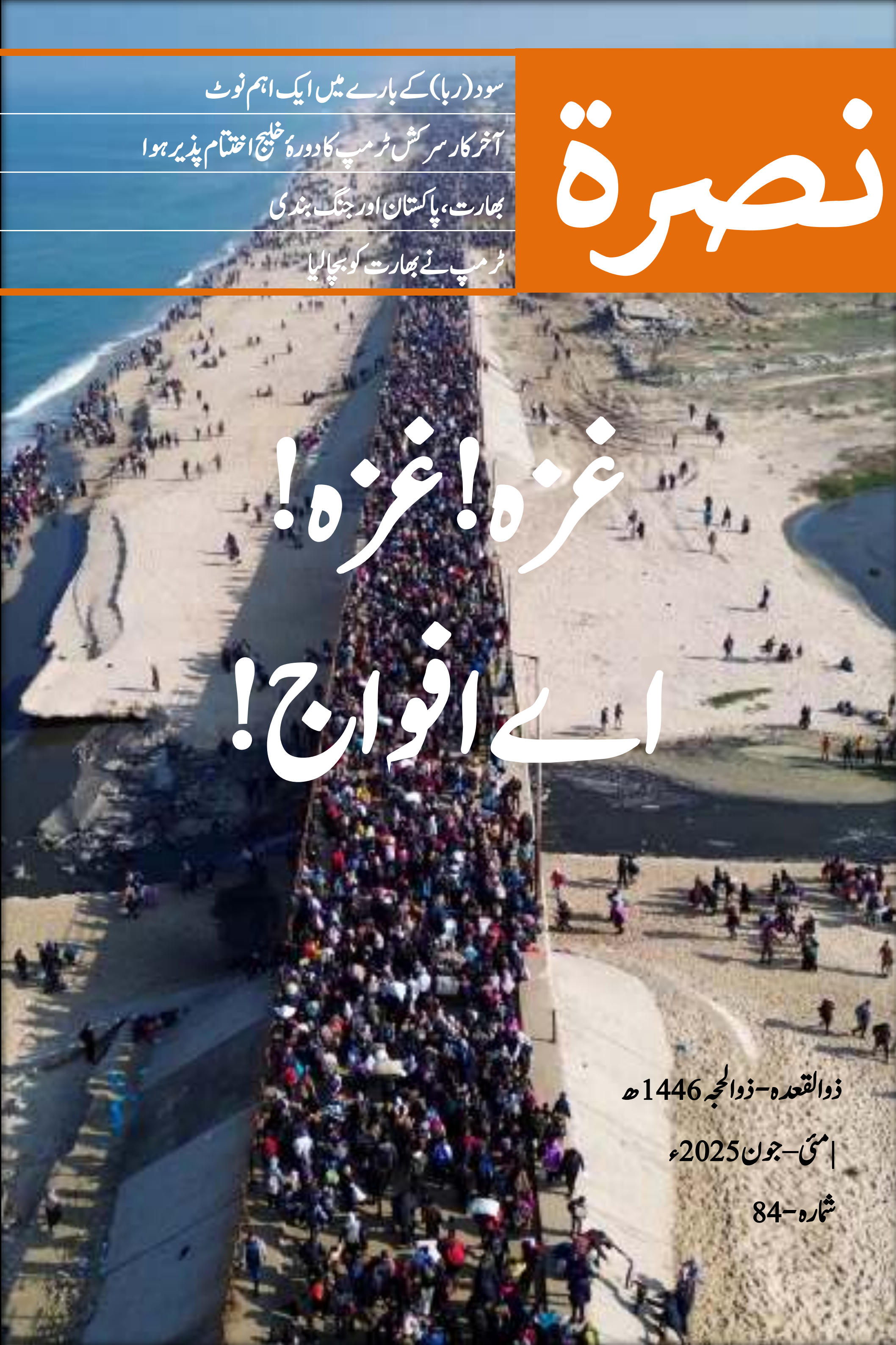

# غزہ! غزہ!
# اے افواج!

ذوالقعدہ-ذوالحجہ 1446ھ

مئی-جون 2025ء

شمارہ-84

# فہرست

ٹرمپ نے بھارت کو بچالیا، اور پاکستانی قیادت نے فتح کو دفن کر دیا! ........ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ (281) سود (ربا) کے بارے میں ایک اہم نوٹ ........ 7

آخر کار، سرکش ٹرمپ کا دورۂ خلیج اختتام پذیر ہوا ........ 34

قرآنِ مجید زبان دانی کا معجزہ ہے جو رسول اللہ محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے! ........ 39

”دین ایک طرزِ حیات کا نام ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کو منظم کرتا ہے“ ........ 58

مابعد جدیدیت (Postmodernism) میں امت مسلمہ ........ 89

اخلاصِ کامل ........ 94

ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے اپنائے گئے مؤقف، حق پر ثابت قدم رہنے اور حق کو علی الاعلان بیان کرنے والے ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ رہیں گے ........ 104

بھارت اور پاکستان کے درمیان تنازع کی حد کا تعین امریکہ کی پالیسی اور چین کے حوالے سے اس کی حکمتِ عملی کی حد سے ہوتا ہے ........ 130

کشمیر کی آزادی کا تاریخی موقع: پاک فوج کے مخلصین کے نام ایک پکار ........ 136

سوال وجواب: ڈیپ اسٹیٹ ........ 139

سوال کا جواب: بھارت، پاکستان اور جنگ بندی ........ 149

غزہ! غزہ! اے شیر دل جوانو! ........ 158

# ٹرمپ نے بھارت کو بچالیا، اور پاکستانی قیادت نے فتح کو دفن کر دیا!

بدھ، 7 مئی 2025 کو دو ایٹمی طاقتوں کے مابین بمباری کا تبادلہ شروع ہوا، جب بھارت نے اپریل کے آخر میں مقبوضہ کشمیر میں سیاحوں پر ہونے والے حملے کے رد عمل میں پاکستان کے اندر فضائی حملے کیے، حالانکہ پاکستان نے اس واقعے سے لاتعلقی کا اعلان کیا تھا، پھر بھی بھارت نے الزام تراشی جاری رکھی، آبی معاہدے کو معطل کرنے کا اعلان کیا، اور جنگی طیاروں، ڈرونز اور میزائلوں سے حملے شروع کر دیے۔ لیکن اس حملے کو پاکستان کی جانب سے حیرت انگیز مزاحمت سے ٹکرانا پڑا، جس کے نتیجے میں بھارت کو صرف دو دنوں میں بھاری فوجی نقصان اٹھانا پڑا: اس کے کم از کم پانچ جنگی طیارے اور درجنوں ڈرون مار گرائے گئے، جبکہ پاکستان کی طرف سے جوابی حملہ بھی کیا گیا جس نے بھارت کی عسکری بنیادی تنصیبات، خاص طور پر S-400 میزائل لانچنگ پیڈز کو شدید نقصان پہنچایا۔

بھارت کو اپنی اس ناسمجھ مہم جوئی کی بھاری قیمت چکانا پڑی، اور وہ اس میں بری طرح پھنس گیا۔ حالات مزید بگڑنے کے خطرے کے پیش نظر اُسے کوئی ایسا سہارا چاہیے تھا جو اسے اس صورتحال سے نکال سکے، ایک ایسی صورتحال جو مزید نقصانات کا پیش خیمہ بن رہی تھی، اور یہی وہ لمحہ تھا جب ڈونلڈ ٹرمپ نے اس معاملے میں مداخلت کی اور فریقین سے جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ امریکی صدر نے اعلان کیا کہ بھارت اور پاکستان مکمل اور فوری جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے سوشل میڈیا پلیٹ فارم "ٹروتھ سوشل" پر لکھا: "امریکہ کی ثالثی میں رات بھر طویل مذاکرات کے بعد مجھے خوشی ہے کہ دونوں ممالک نے مکمل جنگ بندی پر اتفاق کر لیا ہے"۔ اس نے مزید کہا: "دونوں ممالک کو دانشمندی، منطق اور غیر معمولی بصیرت کے مظاہرے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس بارے میں دلچسپی دکھانے کا شکریہ"

اس اعلان کے بعد، ہفتہ 10 مئی 2025ء کو بھارت اور پاکستان نے، کئی دنوں تک حملوں کے تبادلے کے بعد فوری جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کی۔ بھارتی وزارتِ خارجہ نے بتایا کہ جنگ بندی کا آغاز ہفتے کے روز سے ہو گا۔ بھارتی وزارتِ خارجہ نے وضاحت کی کہ دونوں ممالک کے عسکری آپریشنز کے سربراہان نے آپس میں رابطہ کیا، اور جنگ بندی پر اتفاق طے پایا۔ مزید یہ کہ دونوں فریق پیر کے روز دوبارہ بات چیت کریں گے۔ پاکستانی وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے کہا کہ پاکستان نے، اپنی خودمختاری اور علاقائی سالمیت پر سمجھوتہ کئے بغیر ہمیشہ علاقائی امن و سلامتی کے لئے کوشش کی ہے۔

یہ اعلان اس وقت آیا جب پاکستان کی مسلح افواج کے عقابوں اور مختلف عسکری شعبوں نے اللہ اور مسلمانوں کے دشمن، متکبر ہندو ریاست بھارت کے خلاف شاندار فتح حاصل کی۔ لیکن کفر کے سرغنہ ٹرمپ، اور اس کے صلیبی اتحادی، اس فتح کو ناکامی میں بدلنے کے لیے فوراً حرکت میں آئے۔ ٹرمپ نے پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت کو جنگ بندی قبول کرنے کا حکم دیا، جبکہ آبی معاہدے کی معطلی اور کشمیر پر بھارت کے قبضے کو برقرار رکھا گیا۔ یوں، پاکستانی فوج کے مخلص افسران کی حاصل کردہ فتح ضائع کر دی گئی، بالکل ویسے ہی جیسے جولائی 1999ء میں کارگل کی بلندیوں پر نواز شریف اور پرویز مشرف نے کامیابی ضائع کر دی تھی۔ اُس وقت پاکستانی کمانڈوز اور کشمیری مجاہدین نے مقبوضہ کشمیر میں کارگل کی پہاڑی چوٹیوں پر قبضہ حاصل کر لیا تھا، جس سے انہیں بھارتی فوج کی رسد کے راستوں پر فائرنگ کی برتری حاصل ہو گئی تھی جس نے بھارتی فوج کو شدید مشکل سے دوچار کر دیا اور اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اُس وقت امریکہ، بل کلنٹن کی قیادت میں، مداخلت کے لیے آگے آیا اور نواز شریف و مشرف کو اُن تمام محاذوں سے پسپائی کا حکم دیا جن پر پاکستانی افواج نے کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ یوں وہ فتح ناکام بنا دی گئی، اور اسے ایک بڑی عسکری کامیابی سے دستبرداری کے مترادف سمجھا گیا—ایسی کامیابی جو کشمیر میں طاقت کا توازن بدل سکتی تھی۔

آج کے ٹرمپ کے ایجنٹوں کا یہ رویہ ماضی کے سیاسی و عسکری رہنماؤں کی غداری سے کسی طور کم نہیں ہے۔ یہ وہ غلام ہیں جو وائٹ ہاؤس میں بیٹھے اپنے آقا کے سامنے سرنگوں ہیں۔ ان کا کام نہ تو امت کی فتح کو یقینی بنانا ہے، نہ مسلمانوں کے ممالک کو آزاد کروانا ہے، نہ فتوحات کی قیادت کرنا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں اور ان کی افواج کے دلوں میں اعتماد پیدا کرنا ہے۔ ان کی اصل ذمہ داری صرف ان ناپاک کاموں کو انجام دینا ہے جو دشمنوں کے مفاد کو پورا کرتے ہیں، جو امت کے دل میں چھپی ہوئی دھڑکن پر وار کرتے ہیں اور اسے مغرب، ہندوؤں اور یہودیوں کے تسلط سے آزادی کی کوششوں سے روکتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپاک ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہ کرنے کا بندوبست کریں، شریعت کو حکمرانی سے باہر کر دیں، اور ان لوگوں کا پیچھا کریں جو امت میں موجود اسلامی تحریک کی رہنمائی کرتے ہیں، اور مزید یہ کہ وہ ایماندار مزاحمت کی تحریکیں جو کشمیر اور دیگر مسلم ممالک کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہیں، ان کو کچلنے کی کوشش کریں۔

اگر پاکستان کی موجودہ سیاسی و عسکری قیادت میں ذرا سا بھی اخلاص یا غیرت ہوتی تو وہ اس فتح کو نہ صرف آبی معاہدے کی بحالی پر بھارت کو مجبور کرنے کے لیے استعمال کرتے، بلکہ اسے کشمیر سے انخلا پر بھی مجبور کر دیتے۔ مگر چونکہ وہ امریکہ کے ایجنٹ

ہیں، اس لیے ان کا اصل مقصد امریکہ کو خوش کرنا ہے، اور اس کے اتحادی بھارت کو بچانا ہے چاہے اس کے لیے پاکستان اور اس کے عوام کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس طرح، وہ فوج کی مخلص قربانیوں کو رائیگاں کر کے ایک بار پھر اُسی پرانے مقام پر واپس آ گئے ہیں: کشمیر قابض کے ہاتھوں میں ہے، پانی معطل ہے، اور کشمیری عوام ایک جابر، ظالم دشمن اور گجرات کے قاتل مودی کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔

امت مسلمہ پر، اور خاص طور پر علما، عمائدین اور بااثر افراد پر لازم ہے کہ وہ اس خائن قیادت کے خلاف آواز بلند کریں، جو امت کی فتوحات کو ضائع کر رہی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اس قیادت کو اقتدار سے ہٹا کر، ایسی قیادت کو اقتدار سونپیں جو اللہ کی رضا کے مطابق حکومت کرے، امت کو فتوحات اور آزادی کی راہ پر گامزن کرے، اور حاصل شدہ کامیابیوں کو بہترین انداز میں استعمال کرے۔

**اے پاکستانی فوج کے مخلص افسران!**

تمہاری سیاسی و عسکری قیادت نے تمہاری مقدس فتوحات کو ضائع کر دیا ہے، اور ہزارویں بار یہ ثابت کر دیا کہ وہ تمہاری قیادت کے اہل نہیں ہیں۔ درحقیقت، وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں، چاہے وہ قرآن کی تلاوت کریں جو ان کے حلق سے نیچے نہ اترے، اور چاہے انہوں نے سینوں پر تمغے سجائے ہوں جیسے کہ وہ کوئی جنگجو ہیں حالانکہ درحقیقت وہ منافقین ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:﴿**وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ**﴾"**اور جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں تعجب میں ڈال دیتے ہیں، اور اگر وہ بات کریں تو تم ان کی بات سنتے ہو، گویا وہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی کی گئی ہوں، وہ ہر چیخ کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، وہی دشمن ہیں، ان سے بچو۔ اللہ کی مار ہو ان پر، یہ کہاں بہکائے جا رہے ہیں**"۔(سورۃ المنافقون، آیت 4)

لہٰذا، انہیں ہٹانا اب مزید ضروری ہو چکا ہے، اور حزب التحریر کو نصرۃ دینا، جو حقیقت میں آپ کی نمائندگی کرتی ہے، ایک فوری فریضہ بن چکا ہے جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ تم اپنی فتوحات کو ضائع نہ ہونے دو، واپس بیرکوں میں نہ جاؤ، کیونکہ تم حزب التحریر کی خالص و مخلص قیادت کے زیرِ سایہ کشمیر کی آزادی اور نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت کے ذریعے پاکستان میں دین کو قائم کرنے کی قابلیت رکھتے ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ **"اور کہو: عمل کرو، اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا، اور اُس کا رسول ﷺ اور مومن بھی دیکھیں گے، اور تم عنقریب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھتا ہے، پھر وہ تمہیں بتادے گا جو تم کیا کرتے تھے"** (سورۃ التوبہ، آیت 105)

[فہرست]

# تفسیر سورۃ البقرۃ (281) سود (ربا) کے بارے میں ایک اہم نوٹ

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

سورۃ البقرہ میں سود (ربا) کے موضوع پر آیات نازل ہونے کے بعد، اس اہم موضوع پر غور کرنا ضروری ہے۔ میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں:

### 1-ربا کی لغوی تعریف:

لغوی طور پر، ربا کا مطلب مطلق اضافہ یا بڑھوتری ہے۔ کہا جاتا ہے: "رَبا الشيء يَربو "یعنی "کوئی چیز بڑھی یا اضافہ ہوا"۔ یہ بات اُس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے: **فَايْمُ اللَّهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرَ مِنْهَا "اللہ کی قسم! ہم کوئی لقمہ نہ اٹھاتے مگر یہ کہ اس کے نیچے والا حصہ اس سے زیادہ بڑھ جاتا"** (مسلم: 3833)۔ یہ اس کھانے کے بارے میں تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی تھی۔

عربوں میں ربا (سود) کی عام صورت یہ تھی کہ جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی، تو وہ مقروض سے کہتے: "کیا تم قرض ادا کرو گے یا اس میں اضافہ کرو گے؟" اگر مقروض رقم ادا نہ کر سکتا، تو قرض دہندہ اس کی مدت بڑھانے کے بدلے اصل رقم میں اضافہ کر دیتا۔ اس طرح اگلی مدت کے لیے جو رقم واجب الادا ہوتی، وہ اصل قرض اور اضافی بڑھوتری پر مشتمل ہوتی۔ پس، ادائیگی میں تاخیر کے سبب قرض میں کسی بھی طرح کا اضافہ عربوں میں ربا شمار ہوتا، اور وہ اسے اپنے درمیان جائز سمجھتے تھے۔

### 2-ربا کی شرعی تعریف:

شریعتِ اسلامی میں، ربا کو ایک مخصوص اور متعین حقیقت کے طور پر دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلی قسم: ربا النسيئہ (ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے سود)

یہ وہ سود ہے جو قرض کی مدت میں اضافے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جسے "نسیئہ" (تاخیر) کہا جاتا ہے۔ یہی وہ سود تھا جو عربوں میں رائج تھا، یعنی قرض کی مقررہ مدت پوری ہونے پر مقروض سے کہا جاتا: "یا ادا کرو، یا رقم میں اضافہ کرو"۔ چنانچہ، وہ قرض کی اصل رقم میں اضافہ کر دیتے اور ادائیگی کی مدت بڑھا دی جاتی۔ اسلام نے اس لغوی تعریف کو برقرار رکھتے ہوئے اسے سود قرار دیا اور اس میں ایک اور شرعی پہلو شامل کیا، جو یہ ہے: "کسی مخصوص چیز کو اسی قسم کی یا کسی اور قسم کی چیز کے بدلے میں بیچنا، لیکن فوری طور پر ہاتھوں ہاتھ معاملہ طے نہ کرنا، بلکہ کسی بعد کی مدت تک مؤخر کر دینا، چاہے قیمت برابر ہو، کم ہو یا زیادہ"۔

اس طرح شرعی لحاظ سے ربا النسیئہ کی دو صورتیں ہیں:

1- قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے بدلے میں رقم میں اضافہ کرنا۔

2- وہ چھ اشیاء جن میں سود کا حکم لاگو ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کو اسی کی جنس یا کسی اور جنس کے بدلے بیچنا، لیکن معاملہ ہاتھوں ہاتھ طے نہ کرنا، بلکہ کسی بعد کی تاریخ پر مؤخر کر دینا شامل ہے۔

دوسری قسم: ربا الفضل (اضافے کا سود)

یہ وہ سود ہے جو مقدار میں فرق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، تاخیر کی وجہ سے نہیں۔ جب کوئی شخص ان مخصوص اشیاء میں سے کسی ایک کو اسی کی جنس کے بدلے میں بیچتا ہے، لیکن مقدار برابر نہیں ہوتی، تو یہ ربا الفضل کہلاتا ہے، چاہے معاملہ ہاتھوں ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔

وہ چھ اشیاء جن پر سود کا حکم لاگو ہوتا ہے، یہ ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک۔ اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی وہ صحیح احادیث ہیں جو خرید و فروخت اور قرض کے معاملات سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

3-سود (ربا) اور لین دین سے متعلق احادیث:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى، الْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ** **"سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، اور نمک نمک کے بدلے، برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ تبادلہ ہونا چاہیے۔ جو کوئی بھی زیادہ لے یا زیادہ دینے کا مطالبہ کرے، وہ سود میں مبتلا ہو گیا۔ لینے والا اور دینے والا دونوں اس میں برابر کے گناہ گار ہیں"**۔ (مسلم:1588)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ تِبْرُهَا وَعَيْنُهَا، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ تِبْرُهَا وَعَيْنُهَا، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مُدِّي بِمُدِّي، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مُدِّي بِمُدِّي، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مُدِّي بِمُدِّي، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مُدِّي بِمُدِّي، فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى، وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ وَالْفِضَّةُ أَكْثَرُهُمَا يَدًا بِيَدٍ، وَأَمَّا نَسِيئَةً فَلَا، وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ وَالشَّعِيرُ أَكْثَرُهُمَا يَدًا بِيَدٍ وَأَمَّا نَسِيئَةً فَلَا** **"سونا سونے کے بدلے، چاہے خام ہو یا ڈھلا ہوا، چاندی چاندی کے بدلے، چاہے خام ہو یا ڈھلی ہوئی، گندم گندم کے بدلے، ناپ برابر ہو، جو جو کے بدلے، ناپ برابر ہو، کھجور کھجور کے بدلے، ناپ برابر ہو، اور نمک نمک کے بدلے، ناپ برابر ہو۔ جو کوئی بھی زیادہ لے یا زیادہ دینے کا مطالبہ کرے، وہ سود میں مبتلا ہو گیا۔ سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے میں کوئی حرج نہیں، اگر ایک دوسرے سے زیادہ ہو، لیکن یہ ہاتھوں ہاتھ ہو، ادھار جائز نہیں۔ اسی طرح، گندم کو جو کے بدلے بیچنے میں کوئی حرج نہیں، اگر ایک دوسرے سے زیادہ ہو، لیکن یہ ہاتھوں ہاتھ ہو، ادھار جائز نہیں"**۔ (ابو داؤد:2907)

حدیث میں دی گئی تعریفیں:

- مدی (Mudi): حجم ناپنے کا ایک پیمانہ۔

- تبر (Tibr): سونے یا چاندی کے وہ ٹکڑے جو ابھی سکے (دینار یا درہم) نہ بنے ہوں۔
- عین (Ayn): سونے یا چاندی کے وہ سکے جو ڈھالے جا چکے ہوں۔

جملہ ''تبرها وعينها سواء'' کا مطلب ہے: "چاہے وہ خام حالت میں ہو یا سکے کی شکل میں، دونوں کو برابر سمجھا جائے گا"۔

الدار قطنی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لا فضل بينهما، من كانت له حاجة بورق فليصرفها بذهب وإن كانت له حاجة بذهب فليصرفها بورق هاء بهاء "دینار دینار کے بدلے، درہم درہم کے بدلے، ان کے درمیان کوئی فضیلت (اضافہ) نہیں۔ اگر کسی کو چاندی (درہم) کی ضرورت ہو تو وہ اسے سونے (دینار) کے بدلے میں تبدیل کر لے، اور اگر کسی کو سونے کی ضرورت ہو تو وہ اسے چاندی کے بدلے میں تبدیل کر لے—اور یہ تبادلہ فوری اور ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہیے"۔** (الدار قطنی: 3/25)

**حدیث سے حاصل ہونے والے عملی اصول:**

اگر کوئی شخص کسی خاص قسم کی کھجور کو پسند کرتا ہے، تو وہ پہلے اپنی کھجور کسی اور چیز کے بدلے فروخت کر سکتا ہے اور پھر حاصل شدہ رقم سے اپنی پسندیدہ کھجور خرید سکتا ہے۔

لیکن اگر کھجور کا تبادلہ کھجور کے بدلے میں ہو، تو مقدار میں برابری اور ہاتھوں ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اعلیٰ درجے کی کھجوریں لے کر آئے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: "یہ کہاں سے لائے ہو؟" بلالؓ نے جواب دیا: "ہمارے پاس کم درجے کی کھجوریں تھیں، تو میں نے دو پیمانے ان کھجوروں کے ایک پیمانے اعلیٰ کھجوروں کے بدلے میں دیے تاکہ نبی ﷺ کے کھانے کے لیے عمدہ کھجور ملے"۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **أوه، عين الربا لا تفعل، ولكن إذا أردت أن تشتري التمر فبعه ببيع آخر ثم اشتر به"**

**اوہ! یہ تو خالص سود (ربا) ہے، ایسا مت کرو۔ اگر تمہیں اچھی کھجور خریدنی ہو تو پہلے اپنی کھجور کو کسی اور چیز کے بدلے فروخت کرو اور پھر اس رقم سے بہتر کھجور خرید لو"**۔(بخاری:2145، مسلم:2985)

ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **هذا الربا فردوه، ثم بيعوا تمرنا واشتروا لنا من هذا "یہ سود (ربا) ہے، اسے واپس کرو، پھر ہماری کھجور فروخت کرو اور اس کی قیمت سے بہتر کھجور خرید لو"**۔(مسلم:2986)

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ربا (سود) پر مبنی لین دین صرف فاسد نہیں بلکہ کالعدم (باطل) ہے۔ پورے سودے کو ختم کرنا ضروری ہے، اور دونوں فریقوں کو وہ چیزیں واپس کرنی ہوں گی جو انہوں نے ایک دوسرے سے لی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے بلالؓ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ صرف اضافی مقدار واپس کریں، بلکہ پورے سودے کو ختم کرنے، خریدی گئی کھجوریں واپس کرنے اور بیچی گئی کھجوریں واپس لینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد، آپ ﷺ نے یہ مشورہ دیا کہ کم درجے کی کھجوروں کو پہلے درہم یا دینار کے بدلے فروخت کیا جائے اور پھر اس رقم سے اعلیٰ درجے کی کھجور خریدی جائے۔

نبی کریم ﷺ کا جملہ "أوه" ناپسندیدگی یا تکلیف کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کا یہ عمل سخت مذمت کے لائق تھا۔

چھ خاص اشیاء: سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک—ان کا لین دین ہاتھوں ہاتھ اور ایک ہی مجلس میں ہونا لازم ہے۔

اگر ان اشیاء کا آپس میں تبادلہ ہو (مثلاً سونا سونے سے، گیہوں گیہوں سے)، تو مقدار برابر ہونا ضروری ہے، ورنہ یہ ربا الفضل کہلائے گا۔

مثال کے طور پر، بعض سونے کی دکانوں میں سونے کے بدلے سونا یا چاندی کے بدلے چاندی غیر مساوی وزن میں لینا—جیسے ایک انگوٹھی کے بدلے ایک کڑا دینا—یہ ربا الفضل میں آتا ہے، کیونکہ معیار کے فرق کی وجہ سے مقدار میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔ البتہ، اگر سونے کے بدلے چاندی، یا کسی دوسری کرنسی کا تبادلہ ہو، تو چاہے برابر مقدار میں ہو یا نہ ہو، یہ جائز ہے،

بشرطیکہ لین دین ہاتھوں ہاتھ اور اسی مجلس میں مکمل ہو۔ تاخیر سے ادائیگی کسی بھی صورت میں جائز نہیں، چاہے لین دین ہم جنس اشیاء میں ہو یا مختلف اشیاء میں، کیونکہ یہ ربا النسيئه میں شمار ہوگا۔

## چھ اشیاء کے بارے میں وضاحت:

یہ چھ اشیاء—سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک—حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں اور یہ مقررہ (ثابت شدہ) اقسام ہیں، جنہیں "أسماء جامدة" کہا جاتا ہے۔ ان کے احکام قیاس پر مبنی نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی علت ہے۔ لہٰذا، ان کے احکام کو کسی اور اشیاء تک نہیں بڑھایا جا سکتا۔

## چھ اشیاء میں تاخیر سے تبادلے کی ممانعت سے استثنیٰ (ادھار فروخت یا سَلَم کا معاملہ):

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چھ مخصوص اشیاء—سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک—کے تاخیر سے ادائیگی والے سودے کی ممانعت سے ایک استثناء رکھا ہے۔ یہ استثناء سلم (مستقبل کی فروخت) نامی مخصوص قسم کی خرید و فروخت پر لاگو ہوتا ہے، جس میں ادائیگی پہلے نقد (چاہے وہ نقدی، سونا، چاندی یا کوئی اور حاضر شے ہو) کر دی جاتی ہے، جبکہ مال بعد میں فراہم کیا جاتا ہے۔ اسے بیع السلف (ایڈوانس سیل) بھی کہا جاتا ہے۔

اس طرح کا معاملہ جائز ہے، اور اس میں نہ فوری تبادلہ ضروری ہے، نہ ہی تاخیر ربا شمار ہوتی ہے۔ یہ حکم اس وقت بھی لاگو ہوتا ہے جب ادائیگی اور موخر کی گئی شے ان چھ مخصوص اشیاء میں سے ہوں، جیسے سونے میں ادائیگی اور گیہوں یا جو کی تاخیر سے فراہمی۔ اس جواز کی واضح شرعی نصوص سے تائید ہوتی ہے۔

## سلم کے جواز کے دلائل:

### الف- قرآن سے دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو"** (سورۃ البقرۃ: 282)۔

سلم بھی قرض کی ایک قسم ہے، کیونکہ ایک فریق پیشگی ادائیگی وصول کرتا ہے، جبکہ دوسرا فریق بعد میں متعین شے فراہم کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کو سلم کے جواز پر بھی محمول کیا گیا ہے۔

## ب- سنت سے دلیل (حدیث):

1- ابن عباسؓ کی حدیث:

صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور دیکھا کہ لوگ پھلوں کے سلم کے معاملات ایک، دو یا تین سال کے لیے کرتے تھے۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم "جو کوئی سلم کا معاملہ کرے تو وہ مقررہ پیمانے، مقررہ وزن اور مقررہ مدت کے ساتھ کرے" (صحیح بخاری: 2085)۔

2- عبدالله بن أبي أوفیؓ کی حدیث:

صحیح بخاری میں محمد بن المجلد سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن شداد اور ابو بردہ نے مجھے عبد اللہ بن اَبي اَوفیؓ کے پاس بھیجا تاکہ ان سے دریافت کریں کہ کیا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام سلم کا معاملہ کرتے تھے؟ عبد اللہ بن اَبي اَوفیؓ نے جواب دیا: **كنا نسلف نبيط أهل الشام في الحنطة والشعير والزيت في كيل معلوم إلى أجل معلوم "ہم اہل شام کے نبطیوں کے ساتھ گیہوں، جو اور تیل کے سلم کے معاملات کیا کرتے تھے، ایک مقررہ پیمائش اور مقررہ مدت کے ساتھ"**۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اس وقت فروخت کنندگان کے پاس وہ اجناس موجود ہوتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ما كنا نسألهم عن ذلك "ہم ان سے اس بارے میں نہیں پوچھتے تھے"۔(بخاری: 2088)

اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بھی یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: **كان أصحاب النبي صلى الله عليه و سلم يسلفون على عهد النبي صلى الله عليه و سلم ولم نسألهم ألهم حرث أم لا "نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام سلم کا معاملہ کیا کرتے تھے، اور ہم نے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے پاس کھیتیاں تھیں یا نہیں"۔**

لہٰذا، سلم کا معاملہ درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:

- مال کی قسم، معیار اور مقدار واضح طور پر متعین ہونی چاہیے۔
- پیمائش یا وزن طے شدہ ہونا چاہیے۔
- ڈیلیوری کی مدت واضح طور پر متعین ہونی چاہیے۔
- ادائیگی مکمل اور مقدم ہونی چاہیے، یعنی عقد کے وقت پوری رقم ادا کر دی جائے۔

ان شرعی اور معاہداتی ضوابط کے اندر رہتے ہوئے سلم کے معاملات جائز ہیں۔

ربا کی اقسام میں تاخیر سے لین دین کی ممانعت سے مستثنیٰ صورتیں:

1- سلم کا معاہدہ:

سلم، جو کہ پیشگی خرید و فروخت کا ایک طریقہ ہے، ربا (سود) سے متعلق اشیاء میں تاخیر سے ادائیگی کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح، یہ اس پابندی سے بھی آزاد ہے جو کسی ایسی چیز کی فروخت پر ہوتی ہے جو فروخت کے وقت بیچنے والے کی ملکیت میں نہ ہو، کیونکہ سلم معاہدے میں فروخت کنندہ کے پاس مال موجود نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسے بعد میں فراہم کرتا ہے۔

2- عُرَایا کی فروخت:

ایک اور استثنیٰ عُرَایا کی بیع ہے، جس میں ایسا شخص جو خود کھجور کے درختوں کا مالک نہیں ہوتا، درخت پر موجود پھلوں کو ان کھجوروں کے بدلے خرید سکتا ہے جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہوں۔ یہاں اگرچہ دونوں چیزیں ایک ہی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے تازہ کھجوریں، نیم خشک کھجوریں یا مکمل خشک کھجوریں، اور درخت پر لگے پھل اور دی جانے والی کھجوروں کے وزن یا مقدار میں فرق ہوتا ہے، پھر بھی یہ معاملہ جائز ہے۔

یہ استثنیٰ نبی کریم ﷺ کی حدیث پر مبنی ہے: **رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم ببيع العرايا "رسول اللہ ﷺ نے عُرَایا کی بیع کی اجازت دی"۔(البخاري:2041، مسلم:2841)**

عُرَایا ایک مخصوص کھجور کے درخت کو کہا جاتا ہے جو عام اصولوں سے مستثنیٰ ہوتا ہے، اور اس کے پھل ذاتی استعمال کے لیے خریدے جاتے ہیں۔

قرض میں ربا:

ربا(سود) کا اطلاق صرف ان چھ مخصوص رباوی اشیاء پر نہیں ہوتا، بلکہ ہر قسم کے قرض پر ہوتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے فرمان پر مبنی ہے: **كلّ قرض جر نفعاً فهو ربا "ہر وہ قرض جو کسی نفع کا سبب بنے، وہ ربا ہے"**۔(السنن الکبری للنسائي:5/350)

یہاں "قرض" کا لفظ عام اور غیر مشروط ہے، جو ہر چیز اور ہر حالت پر لاگو ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إذا أقرض فلا يأخذ هدية "جب قرض دو تو کوئی تحفہ مت لو"**۔(البیهقي:5/350)

لہٰذا، اگر قرض کی واپسی پر کوئی اضافی فائدہ یا اضافہ لیا جائے، تو یہ ربا شمار ہو گا۔

البتہ، اگر قرض لینے والا اپنی طرف سے قرض کی واپسی بہتر کرے، بغیر کسی شرط کے، تو یہ جائز ہے اور ربا میں شامل نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر:

- پرانے سونے کے سکے کو اسی وزن کے نئے سکے سے واپس کرنا۔
- قرض لیا ہوا اونٹ بہتر معیار کے اونٹ سے واپس کرنا، بشرطیکہ یہ بہتری پہلے سے طے نہ ہو۔

یہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ کسی سے اونٹ قرض لیا، اور جب صدقے کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے اس شخص کو ایک بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا: **أجودكم قضاء "تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو سب سے بہتر طریقے سے قرض واپس کرے"**۔( البيهقي: 5/350)

اسی وجہ سے ربا دو بنیادی صورتوں میں واقع ہوتا ہے:

1. خرید و فروخت: ان چھ رباوی اشیاء (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) کے تبادلے میں۔

2. قرض: کسی بھی قسم کی اشیاء یا سامان پر، جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی۔

ربا (سود) کی شدید ممانعت:

ربا کو اسلام میں سختی سے حرام قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کی درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ** ﴾

**"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود میں سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو"**(سورۃ البقرہ: 278)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مزید فرمایا:﴿ **فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ** ﴾ **"اور اگر تم(سود چھوڑنے پر) عمل نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا ہی ہے۔نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا"**(سورۃ البقرہ:279)۔

یہ آیات ربا میں ملوث ہونے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے مترادف قرار دیتی ہیں۔

سنت میں ربا کے خلاف سخت وعیدیں:

1. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**اجتنبوا السبع الموبقات، وفيها: آكل الربا "سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو، اور ان میں سے ایک سود کھانا ہے"**۔(مسلم:129)

2. عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

ابو داؤد میں روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:**لعن رسول الله صلى الله عليه و سلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهده "رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی"**۔(أبو داوود:2895)

3. عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

دار قطنی میں عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو "فرشتوں کے غسل دیے جانے والے" کے لقب سے مشہور ہیں، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لدرهم ربا أشد عند الله تعالى من ست وثلاثين زنية في الخطيئة** **"اللہ کے نزدیک ایک درہم سود کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سنگین گناہ ہے"**۔(تفسير القرطبي:3/364)

4. عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حاکم میں روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الربا ثلاثة وسبعون باباً، أيسرها أن ينكح الرجل أمه، وإن أربى الربا عرض الرجل المسلم "ربا کے تہتر(73) دروازے ہیں، ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے، اور سب سے بدترین ربا ایک مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا ہے"**۔ (المستدرک:2/37)

یہ وہ کون سا جرم ہے جس کے مرتکب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والا قرار دیا گیا ہے؟ یہ وہ کون سا گناہ ہے جو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین ہے یا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرلے؟

یہ ربا (سود) ہے، ایک ایسا نظام جو معاشروں کو تباہ کرتا ہے، لالچ کو بھڑکاتا ہے، دوسروں کا استحصال کرتا ہے، اور لوگوں کے وسائل کو اس حد تک نچوڑ لیتا ہے کہ انہیں غلام بنا دیتا ہے۔ تاریخی اور موجودہ دور میں، ربا ہمیشہ انسانی غلامی سے جڑا رہا ہے۔ سود خور اکثر دولت کے پیچھے اندھا دھند دوڑتے ہیں، اخلاقی اور انسانی اقدار کی پرواہ کیے بغیر، چاہے ان کے طریقے قوموں کی بربادی، افراد کے استحصال، اور وسیع پیمانے پر فساد کا باعث ہی کیوں نہ بنیں۔

اسلام سے پہلے سود خور مالدار لوگ سودی قرضوں کے ذریعے لوگوں کو غلام بناتے تھے۔ جب کوئی شخص قرض ادا نہ کر پاتا، تو قرض کی میعاد بڑھانے کے ساتھ اس پر سود بھی بڑھا دیا جاتا، یہاں تک کہ مقروض مکمل طور پر مفلس ہو جاتا۔ پھر آخری

"حل" یہی بچتا تھا کہ مقروض خود کو بیچ کر اپنا قرض چکائے، یوں وہ باقاعدہ غلام بن جاتا، جسے خریدا اور بیچا جاتا، اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہی طریقہ مالدار سرمایہ داروں نے اپنے غلاموں کی تعداد بڑھانے اور مختلف علاقوں پر غلبہ پانے کے لیے اپنایا۔ یہ ان بہت سے غیر اخلاقی طریقوں میں سے ایک تھا جنہیں دولت مند طبقہ دوسروں کے استحصال کے لیے استعمال کرتا تھا۔

لہٰذا، ربا محض ایک معاشی سرگرمی نہیں بلکہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو غلامی، استحصال اور تسلط (حکمرانی) کا ذریعہ بنتا ہے۔

جدید دور میں ربا (سود):

صدیوں کی ترقی کے باوجود، ربا کی استحصالی (استفادہ کرنے والی) فطرت آج بھی برقرار ہے۔ آج کے دور میں، ربا لوگوں کو غلام بنانے اور ان پر تسلط قائم کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے، اگرچہ اس کے طریقے زیادہ جدید اور متنوع ہو گئے ہیں۔

آج کے دور میں، ربا ایک باقاعدہ نظام کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ بینک، مالیاتی ادارے اور سودی مالیاتی نظام پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں، یہاں تک کہ شاید ہی کوئی اہم خطہ ایسا ہو جہاں سود پر مبنی کوئی بینک یا مالیاتی ادارہ موجود نہ ہو۔

یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کی تصدیق کرتی ہے: **يأتي على الناس زمان يأكلون الربا، فمن لم يأكله أصابه من غباره "لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ سب کے سب ربا کھائیں گے، اور جو اس سے بچنے کی کوشش کرے گا، وہ بھی اس کے غبار سے متاثر ہو گا"** (سنن النسائی، ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی)۔

سرمایہ دارانہ مغرب نے دنیا کے بیشتر حصے کو، اگر مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک، اپنے مرکزی بینکوں کے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ یہ گرفت یا تو براہِ راست ان کے سرکاری بینکوں کے ذریعے کی جاتی ہے یا بالواسطہ طور پر بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF)

اور ورلڈ بینک جیسے اداروں کے ذریعے۔ ان سودی نظاموں نے کئی ممالک کے مرکزی اور تجارتی بینکوں کی معیشت کو مکمل طور پر ربا پر استوار کر دیا ہے۔

ان ممالک میں اثر و رسوخ رکھنے والے افراد ایسی پالیسیاں بناتے ہیں جو انہیں سرمایہ دارانہ ممالک کے قرضوں کا محتاج بنا دیتی ہیں، اور یوں معاشی زوال کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ ان قرضوں پر مرکب سود (Compound Interest) مسلسل بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سود کی مقدار اصل قرض سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر مغربی طاقتیں اور ان کے مقامی ایجنٹ اس ملک کو شکار بنا لیتے ہیں اور اس کے وسائل کو اس بے رحمی سے لوٹتے ہیں کہ وہ ایک ذبح کیے گئے جانور کی مانند تڑپتا رہ جاتا ہے۔

جب کوئی ملک اس جال میں پھنس جاتا ہے، تو آئی ایم ایف "معاشی اصلاحات" کے بہانے آ جاتا ہے۔ اس کے نام نہاد حل عام طور پر یہ ہوتے ہیں:

- عوام پر ٹیکسوں اور فیسوں کا بوجھ ڈالنا۔
- مہنگائی بڑھا کر زندگی گزارنا مزید مشکل بنانا۔

یہ تمام مشکلات صرف اس لیے مسلط کی جاتی ہیں تاکہ مقروض ملک ایک "معاشی تعمیل سرٹیفکیٹ (economic compliance certificate)" حاصل کر سکے، جو اسے اپنے اصل قرضوں کی واپسی کو مؤخر کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن اس کے بدلے میں نئے قرضے لینے پڑتے ہیں، جو ہر بار مزید سود (ربا) کے ساتھ آتے ہیں۔

آئی ایم ایف کی ظالمانہ پالیسیوں کی یہ پابندی محض قرضوں کی ادائیگی کی مدت کو طول دینے کا ایک طریقہ ہے، جبکہ ملک کو مزید قرضوں اور بڑھتے ہوئے سود میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

یہ مکار ربا پر مبنی نظام در حقیقت اقوام اور عوام کو غلام بنانے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے، لیکن اسے "معاشی اصلاحات" جیسے دلکش نام دیے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ ایک ایسا حربہ ہے جو معیشت کو تیزی سے تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ "سود" (فائدہ) کا نام ربا سے بدل کر معتدل بنا دیا گیا تاکہ اس کی سنگینی کم محسوس ہو۔

سرمایہ دارانہ ممالک، ان کے بینک اور ملٹی نیشنل کمپنیاں لالچ اور دھمکیوں کا استعمال کر کے دیگر ممالک کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے قدرتی وسائل سے حاصل ہونے والا سرمایہ مغربی بینکوں میں جمع کروائیں۔ اس طرح، ان سرمایہ دارانہ ممالک کی معیشت دوسرے ممالک کی دولت پر چلتی ہے اور مسلسل ترقی کرتی رہتی ہے۔

جب کوئی ملک اس استحصالی نظام سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کے اثاثے منجمد کر دیے جاتے ہیں، اور انہی طاقتوں کے ذریعے اس کی اپنی دولت کو اس کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ حالیہ دنوں میں کئی ممالک کے ساتھ یہی سلوک کیا جا چکا ہے، جو اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے۔

اگرچہ یہاں توجہ ممالک پر ہے، لیکن افراد پر ربا کے تباہ کن اثرات بھی اسی قدر سنگین ہیں:

- جو لوگ سودی قرضے لیتے ہیں، وہ ایک نہ ختم ہونے والے قرض کے جال میں پھنس جاتے ہیں، جہاں اصل رقم وہی رہتی ہے، لیکن سود مسلسل بڑھتا جاتا ہے۔
- قرض اور اس کے سود کی ادائیگی کا بوجھ خاص طور پر ان لوگوں پر بہت بھاری ہوتا ہے جو مالی طور پر مستحکم نہیں ہوتے—اور یہی زیادہ تر قرض لینے والے ہوتے ہیں۔
- اس کے نتیجے میں سنگین حالات پیدا ہو سکتے ہیں، جیسے قید کی نوبت آنا یا مستقل مالی بدحالی میں مبتلا ہو جانا۔

ربا کے براہِ راست نتائج:

1. قوموں کو قرضوں اور بڑھتے ہوئے سود کے بوجھ تلے کچل دینا۔

2. ان ممالک کے اثاثے منجمد کر دینا جو اس نظام سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔
3. افراد کو سودی قرضوں کے جال میں پھنسا کر غربت اور مایوسی کے چکر میں ڈال دینا۔

سود پر مبنی نظام محض ایک مالیاتی ذریعہ نہیں بلکہ استحصال اور غلبے کا ایک ہتھیار ہے، جس کا مقصد طاقتور سرمایہ دار ممالک کو کمزور قوموں پر مسلط رکھنا ہے۔

یہ سود کے براہ راست اثرات ہیں، جو ممالک پر قرضوں اور سود کے بوجھ کی صورت میں پڑتے ہیں، اور اس کے علاوہ وہ پیسہ جو ان ممالک نے مغربی بینکوں میں جمع کیا ہوتا ہے، اس کے منجمد ہونے کی صورت میں ان ممالک پر اس کا اثر پڑتا ہے

سود پر مبنی نظام کے بالواسطہ اثرات بھی تباہ کن ہیں۔ بینک اپنے منافع کی ہوس میں کسی بھی طریقے، یہاں تک کہ غیر اخلاقی اور ناجائز ذرائع، کو اختیار کرتے ہیں تاکہ خود بھی زیادہ منافع بنائیں اور اپنے جمع کنندگان کو سود ادا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ مغرب اور اس کے پیروکاروں میں کرپٹ صنعتوں اور غیر اخلاقی رویوں کا فروغ عام ہو چکا ہے۔

اس نظام کا ایک اور نقصان یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد کو سستی اور انحصار کی حالت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اپنی دولت کو معاشرے کے فائدے کے لیے کسی مفید کاروبار میں لگانے کے بجائے صرف بینک میں جمع رکھ کر اس پر ملنے والے سود پر گزارا کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اپنی دولت کو جائز اور حلال طریقوں میں لگائیں تو خود بھی بہتر کمائی کر سکتے ہیں اور معاشرے کو بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

اگرچہ ہم نے سرمایہ دارانہ سودی نظام کے قیام کے پس پردہ تمام مذموم مقاصد پر تفصیل سے بات نہیں کی، لیکن یہ بات واضح ہے کہ:

- یہ مسلم ممالک میں گہرائی تک سرایت کر چکا ہے۔
- اسے چالاک اور استحصالی قوتیں کنٹرول کر رہی ہیں، جن میں کافر یہودی اور سرمایہ دارانہ اشرافیہ شامل ہیں۔

- اس کی پالیسیاں، جیسے کہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی حکمت عملیاں، انتہائی چالاکی سے اس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ نہ صرف مسلم ممالک بلکہ ہر وہ قوم جو ان کے مالیاتی جال میں پھنس جائے، استحصال اور غلامی کا شکار ہو جاتی ہے۔

یہ مختصر خلاصہ سودی نظام کے سنگین خطرات کو اجاگر کرتا ہے اور اس بات کی جھلک پیش کرتا ہے کہ اسلام میں اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کیوں قرار دیا گیا ہے۔ اس نظام کی سماجی تباہ کاریاں بدکاری جیسے سنگین گناہ سے بھی زیادہ ہولناک ہیں، باوجود اس کے کہ بدکاری انتہائی غیر اخلاقی فعل ہے۔

جب تک معیشتوں پر سودی نظام کا تسلط برقرار رہے گا، قومیں کبھی حقیقی اقتصادی خوشحالی یا استحکام حاصل نہیں کر سکیں گی۔

کچھ لوگ سودی نظام کے دفاع میں درج ذیل نکات پیش کرتے ہیں:

1. مالدار افراد کو اپنے اضافی سرمایے کو محفوظ رکھنے اور اس پر سود کمانے کے لیے بینکوں کی ضرورت ہوتی ہے: اگر بینک نہ ہوں تو ان کی دولت بیکار پڑی رہے گی، کسی پیداواری سرگرمی میں استعمال نہیں ہو سکے گی اور ضائع ہونے کا خدشہ رہے گا۔
2. غریب یا مقروض افراد فوری ضروریات پوری کرنے کے لیے سود پر مبنی قرضوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں: ان کے مطابق، یہ قرضے لوگوں کو درج ذیل سہولتیں فراہم کرتے ہیں:

- فوری قرضوں کی ادائیگی اور بدلے میں بینک کو سود پر موخر ادائیگی
- ہنگامی مالی ضروریات کو پورا کرنا
- قسطوں میں ادائیگی کے ذریعے اپنے مالی معاملات کو سنبھالنا

اس طرح کے دلائل اکثر سودی نظام کے جواز کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

معاشی چیلنجوں کا اسلامی حل:

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ سودی نظام کے بغیر ان مسائل کو کیسے حل کیا جا سکتا ہے؟

اسلام ان چیلنجوں کا ایک جامع حل فراہم کرتا ہے، جو افراد کے معاشی سکون اور دولت کے منصفانہ استعمال کو یقینی بناتا ہے، بغیر کسی استحصال یا سماجی بگاڑ کے۔ یہ ایک ایسا نظام پیش کرتا ہے جسے ہر چیز کا علم رکھنے والے، کامل حکمت والے خالق نے وضع کیا ہے، جو اپنی مخلوق کے فائدے اور دنیا و آخرت میں ان کی حقیقی خوشحالی کو یقینی بناتا ہے۔

اسلامی معیشت کے نمایاں خدوخال:

- اسلام دولت کو تعمیری اور پیداواری طریقوں میں استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے حلال سرمایہ کاری اور تجارت۔
- اسلام معاشرے کے ضرورت مند طبقے کی مدد کے لیے بغیر سود کے قرضے (قرض حسنہ)، زکوٰۃ اور صدقات جیسے مؤثر نظام فراہم کرتا ہے۔
- اسلام، سود جیسے استحصالی طریقوں سے بچتے ہوئے دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتا ہے۔

اسلامی معیشتی نظام تمام افراد کی فلاح و بہبود کا تحفظ کرتا ہے اور عدل، استحکام اور خوشحالی کا ماحول فراہم کرتا ہے، جو سود کے تباہ کن اثرات سے پاک ہوتا ہے۔

دولت، غربت اور معاشی انصاف کے مسائل کا اسلامی حل:

### 1. دولت کو روک کر رکھنے (Hoarding) کی ممانعت:

اسلام غیر ضروری طور پر دولت کو روک کر رکھنے کو سختی سے منع کرتا ہے۔ اس کے بجائے، اسلام دولت کو تعمیری اور پیداواری کاموں میں لگانے کا حکم دیتا ہے، جیسے صنعتی، زرعی اور تجارتی منصوبے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں دولت کا گردش میں آنا اور اس کا فعال استعمال یقینی بنتا ہے، جو درج ذیل طبقات کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے:

- سرمایہ دار کو منافع حاصل ہوتا ہے۔
- مزدور کو روزگار کے مواقع ملتے ہیں۔
- ضرورت مندوں کو زکوٰۃ اور دیگر فلاحی ذرائع سے مدد ملتی ہے۔
- پورے معاشرے کو ان منصوبوں کے ذریعے پیدا ہونے والی اشیاء اور خدمات سے فائدہ پہنچتا ہے۔

دولت کو روک کر رکھنا اور اسے ایسے پیداواری منصوبوں میں نہ لگانا اسلام میں حرام ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ "اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو" (سورۃ التوبہ: 34)۔

یہ آیت بنیادی طور پر دولت مند افراد کو مخاطب کرتی ہے اور ان پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو واضح کرتی ہے۔

اسلام میں غریبوں اور محتاجوں کے لیے انتظامات:

بلاسود قرضوں (قرض حسنہ) کی ترغیب:

اسلام ضرورت مندوں کو بلاسود قرض دینے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کا اجر صدقے سے بھی زیادہ قرار دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قرض مرتين يعدل صدقة مرة "قرض دینا دوبار، ایک بار صدقہ دینے کے برابر ہے" (البزار نے ابن مسعود سے روایت کی ہے)۔

1. تنگدست مقروض کے لیے نرمی اور مہلت:

اگر کوئی مقروض سخت تنگدستی کا شکار ہو تو اسلام اسے مہلت دینے اور اس کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ﴾ "اور اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینا چاہیے" (سورۃ البقرۃ: 280) اسی طرح صدقے کی صورت میں قرض معاف کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے چاہے وہ مکمل طور پر یا جزوی طور پر معاف کیا جائے ﴿ **وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ** ﴾ **اور اگر تم (قرض) معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو**" (سورۃ البقرۃ: 280)۔

2. زکوٰۃ سے قرض کی ادائیگی:

اسلام نے زکوٰۃ کا ایک حصہ مقروض افراد کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے مختص کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ... وَالْغَارِمِينَ** ﴾ **"زکوٰۃ تو صرف فقیروں، مسکینوں... اور مقروضوں کے لیے ہے..."** (سورۃ التوبہ: 60)۔

3. روزگار کی ترغیب اور محنت کا وجوب:

اسلام نے رزقِ حلال کے حصول کی ترغیب دی ہے اور کام کرنے کو لازم قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ **هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ** ﴾ **"وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم وساز گار بنایا، پس اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ، اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے"** (سورۃ الملک:15)۔

4. نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **إن من الذنوب ما لا يكفرها إلا الهموم في طلب الرزق "کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا کفارہ صرف روزی کمانے کی فکر ومشقت سے ہی ہوتا ہے"**۔( المبسوط للسرخسي: 30/258،)

خلاصہ: اسلام ایک جامع نظام فراہم کرتا ہے جو معاشی انصاف کو یقینی بناتا اور غربت کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات کرتا ہے، جیسے کہ:

- دولت کے متحرک اور مثبت استعمال کی حوصلہ افزائی۔
- ضرورت مندوں کو بلا سود قرض فراہم کرنا۔
- مقروض کے لیے نرمی اور مہلت دینا۔
- زکوٰۃ سے قرضوں کی ادائیگی کا انتظام۔
- محنت اور جائز روزگار کو فروغ دینا تاکہ خود انحصاری اور عزتِ نفس برقرار رہے۔

یہ الٰہی نظام، جو حکمت و دانائی پر مبنی ہے، معاشرتی خوشحالی اور توازن کو یقینی بناتا ہے اور افراد کو استحصال اور مالی بحران سے محفوظ رکھتا ہے۔

## معاشی چیلنجز سے نمٹنے میں ریاست کا کردار:

1. تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا:

ریاست پر لازم ہے کہ وہ اپنے زیر سایہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات یعنی خوراک، لباس اور رہائش کو پورا کرے۔ یہ کام درج ذیل طریقوں سے انجام دیا جاتا ہے:

- فرد کی اپنی کمائی سے۔
- وہ افراد جو اس کے نان ونفقہ کے شرعی طور پر ذمہ دار ہیں (جیسے خاندان کے افراد)۔
- اگر یہ دونوں ذرائع ناکافی ہوں تو ریاست بیت المال سے اس کی ضروریات پوری کرتی ہے۔
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **والسلطان ولي من لا ولي له "حاکم ہر اس شخص کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔"** (أحمد: 6/47، 165، الموطأ: 1053)

2. عوامی ملکیت کے وسائل کا انتظام:

- ریاست ان قدرتی وسائل کی نگرانی کرتی ہے جو عوامی ملکیت میں آتے ہیں، جیسے:
  - زیرِ زمین معدنیات، جیسے سونا، لوہا، تانبا، پوٹاش اور فاسفیٹ۔
  - مائع یا گیس کی شکل میں موجود وسائل، جیسے تیل اور قدرتی گیس۔
- ان وسائل اور ان کی آمدنی کو تمام مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

3. ریاستی ملکیت کے وسائل کا انتظام:

- خمس، جزیہ، غنیمت اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی ریاست کی تحویل میں ہوتی ہے۔
- ان آمدنیوں کو مالداروں کے بجائے غریبوں کے فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ﴾ **"تاکہ (یہ دولت) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے"** (سورۃ الحشر: 7)۔

### 4. بلاسود قرضے اور مالی مدد فراہم کرنا:

- ریاست تاجروں کو بلاسود قرضے اور کاشتکاروں کو گرانٹ فراہم کرتی ہے، جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں کیا جاتا تھا، تاکہ وہ ایک باعزت اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

### 5. ضرورت کے وقت ٹیکس عائد کرنا:

- اگر بیت المال میں مطلوبہ فنڈز نہ ہوں، تو ریاست ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے، جہاد کے اخراجات اور دیگر اسلامی فرائض ادا کرنے کے لیے مالداروں پر ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

## اسلام کا ہمہ گیر معاشی نظام:

### 1. دولت کے مالک:

- مالدار افراد کو اپنی دولت ذخیرہ کرنے (hoarding) سے منع کیا گیا ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ اسے ایسے منصوبوں میں لگائیں جو معاشرے کو فائدہ پہنچائیں، روزگار کے مواقع پیدا کریں اور معیشت کو ترقی دیں۔
- زکوۃ کے ذریعے دولت غریبوں اور دیگر مستحقین میں تقسیم ہوتی ہے۔

### 2. غریب افراد:

- ان کی بنیادی ضروریات کو درج ذیل ذرائع سے پورا کیا جاتا ہے:
  - خود ان کی محنت اور کام کے ذریعے۔
  - ان کے سرپرستوں یا خاندان کے افراد کی مالی معاونت کے ذریعے۔
  - اگر یہ ذرائع ناکافی ہوں تو ریاست بیت المال سے ان کی کفالت کرتی ہے۔

3. مقروض افراد:

- ان کو قرض کی ادائیگی کے لیے مہلت دی جاتی ہے، یا ان کا قرض جزوی یا مکمل طور پر معاف کر دیا جاتا ہے۔
- اگر ضرورت ہو تو ان کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کے فنڈز مختص کیے جاتے ہیں۔

4. تاجر اور کاروباری افراد:

- انہیں ریاست کی طرف سے بغیر سود کے قرضے یا گرانٹ دی جاتی ہے تاکہ وہ کاروبار قائم کریں اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیں۔

5. عوامی وسائل:

- قدرتی وسائل جیسے معدنیات، تیل، گیس وغیرہ کو منصفانہ طور پر عوام میں تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ سب کو ان کا فائدہ پہنچے۔

6. ریاستی آمدنی:

- ریاست کی ملکیت میں آنے والے وسائل کی آمدنی کو غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ دولت صرف چند امیروں کے ہاتھوں میں نہ سمٹ جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ **كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ** ﴾ **"تاکہ (یہ دولت) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے۔"** (سورۃ الحشر: 7)

7. لازمی ٹیکسیشن:

- جب ضروری ہو تو ریاست مالداروں پر ٹیکس عائد کر سکتی ہے تاکہ معاشرتی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

کیا اس کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سود اور سود خور موجود نہ ہوں، جو امیروں کے پیسے سود پر لگاتے ہیں اور غریبوں کو سود پر قرض دیتے ہیں تو پھر غریبوں کی ضروریات کیسے پوری کی جائیں گی یا امیروں کے پیسوں کا کیا کیا جائے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں بیسویں صدی کے دوران جو نظام رائج ہیں، وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، یعنی سرمایہ داری اور سوشلسٹ نظام، جو بدترین، بے شمار عیبوں اور بدنامی کے حامل ہیں۔

## سیکولر معاشی نظاموں کا اسلامی معیشت سے تقابل:

1. سرمایہ داریت (Capitalism):

- غیر محدود نجی ملکیت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، جس کے نتیجے میں غیر اخلاقی ذرائع سے دولت جمع ہوتی ہے۔
- اس کا نظام سود (ربا) پر مبنی ہے، جو کارپوریشنز اور مالیاتی اداروں کی بالادستی کے ذریعے ایک استحصالی معیشت تشکیل دیتا ہے، جس میں قومیں اور افراد معاشی غلامی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

2. اشتراکیت (Socialism):

- نجی ملکیت کو ختم کر کے دولت کو ریاست کے کنٹرول میں دے دیتا ہے، جس سے کارپوریشنز کی بجائے حکمران طبقہ اور پارٹی قائدین استحصال کرنے لگتے ہیں۔
- اس کا نتیجہ بدعنوانی، ظلم اور ایک ناکام معاشی ڈھانچے کی صورت میں نکلتا ہے۔

اسلام سرمایہ دارانہ استحصال اور اشتراکی جبر سے ہٹ کر ایک متوازن اور منصفانہ نظام مہیا کرتا ہے جسے رب العالمین نے وضع کیا ہے، اور جس نے تمام معاملات کو ان کے اصل مقام پر واپس رکھا ہے اور انہیں وہ جگہ دی جہاں انہیں ہونا چاہیے ... کیونکہ صرف خالق ہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوقات کے لیے کیا بہتر ہے:

1. نجی ملکیت:

- نجی ملکیت کی اجازت اور ترغیب دی جاتی ہے، مگر یہ شریعت کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے۔

2. عوامی ملکیت:

- وہ وسائل جو تمام شہریوں کے لیے فائدہ مند ہوں، اجتماعی ملکیت میں رکھے جاتے ہیں تاکہ سب کو ان سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہو۔

3. ریاستی ملکیت:

- مخصوص ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یہ، الحکیم اور الخبیر، اللہ کی طرف سے دیا گیا عادلانہ معاشی نظام دولت کو جائز طریقوں میں استعمال کرنے کو یقینی بناتا ہے، تاکہ معاشرہ خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو اور کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آئے یا اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔

- اس سے اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض پورا ہوتا ہے

- زکوۃ اور اہل و عیال کی کفالت جیسے فرائض پورے ہوتے ہیں۔
- فرضی ادائیگیوں کے علاوہ خیرات و عطیات کی بھی ترغیب دی جاتی ہے۔

- بد عنوانی اور استحصال کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴾ **"اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول، اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور زمین میں فساد مت پھیلا، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"** (سورۃ القصص: 77)۔

اسلامی معاشی نظام انسانیت کے لیے حقیقی خوشحالی کا ذریعہ بنتا ہے، جو دنیا کو ایک پر امن اور خوشگوار سفر میں تبدیل کر دیتا ہے، جو آخرت کی ابدی نعمتوں کی طرف لے جاتا ہے۔

یہاں نہ لالچ ہے، نہ سود، نہ استحصال—بلکہ صرف جائز، پاکیزہ اور وافر رزق ہے، جو امن و سکون کے ساتھ رب العالمین کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ یہ نظام اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مبنی ہے، نہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ پر، اور نہ ہی جرم اور بے حیائی پر۔

یہی حق ہے، اور حق کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ گمراہی ہے اور تمام تعریفیں اللہ، رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔

فہرست

# آخر کار، سرکش ٹرمپ کا دورۂ خلیج اختتام پذیر ہوا

ٹرمپ نے اپنا دورۂ خلیج 13 مئی 2025ء کو سعودی عرب سے شروع کیا، 14 مئی کو وہ قطر گیا، اور 15 مئی کو متحدہ عرب امارات پہنچا، جہاں اس نے 16 مئی 2025ء کو اپنا سفر مکمل کیا۔ اس دورے کے بعد اُس نے دھوکہ دہی سے یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ یہودی وجود کا دورہ نہیں کرے گا، گویا وہ سادہ لوحوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ اس کی یہودی وجود کے لئے حمایت میں کمی واقع ہوئی ہے! حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جیسے ہی وہ ان تین ممالک سے نکلا، یہودی وجود نے غزہ پر اپنے حملے تیز کر دیئے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ غزہ پر کسی بھی قسم کی جارحیت اور اس کی توسیع، امریکہ کی مکمل رضامندی کے بغیر ممکن ہی نہیں، خاص طور پر ٹرمپ کے دورِ حکومت میں!

اور ٹرمپ نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سرِ عام اور بلا جھجک غزہ کی "رئیل اسٹیٹ" میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "مجھے غزہ کے معاملے میں دلچسپی ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ خطہ پراپرٹی کے لحاظ سے بے حد اہم ہے..." اس نے ایک بار پھر تجویز دی کہ غزہ کے فلسطینیوں کو دوسری ریاستوں میں منتقل کر دیا جائے، جن کے بارے میں اس نے کہا کہ "وہ انہیں قبول کرنے کے لئے تیار ہیں"۔ (ٹرمپ کا قطر میں بیان – بی بی سی، 15/5/2025)۔ کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ! ان ریاستوں نے ٹرمپ کا استقبال اس طرح کیا:

1– ٹرمپ جب ریاض پہنچا تو اس کا یوں استقبال کیا گیا گویا آسمان سے کوئی مخلص نجات دہندہ اترا ہو، نہ کہ وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے... یہ وہی ٹرمپ ہے جس نے بیت المقدس کو یہودی وجود کا دارالحکومت تسلیم کیا، اپنا سفارت خانہ وہاں منتقل کیا، اور گولان کی چوٹیوں کو یہودی وجود کا حصہ قرار دیا... اس کا استقبال اس شان سے کیا گیا حالانکہ وہ ان کے سامنے برملا اعلان کر رہا تھا کہ وہ غزہ میں عیاشی کے اڈے کھول دے گا، وہاں خرید و فروخت کرے گا اور اہلِ غزہ کو نکال باہر کرے گا...

اس کا استقبال دھوم دھام سے کیا گیا حالانکہ وہ اپنی پہلی صدارت میں اعلانیہ طور پر یہ کہہ چکا تھا: "امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے سعودی عرب سے امریکی تحفظ کے بدلے ادائیگی کا مطالبہ جاری رکھا۔ دو ہفتوں سے بھی کم وقت میں پانچویں بار، ٹرمپ نے سعودی فرمانروا سلمان بن عبد العزیز سے مطالبہ کیا کہ وہ تحفظ کے عوض ادائیگی کریں، یہ کہتے ہوئے کہ سعودی عرب امریکی تحفظ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا"۔ (الجزیرہ، 11/10/2018)

اور پھر جب وہ رخصت ہونے کو آیا تو سعودی حکمران نے اسے مسلمانوں کا مال پیش کیا: "وائٹ ہاؤس کے مطابق، صدر ٹرمپ نے سعودی عرب کی جانب سے امریکہ میں 600 ارب ڈالر کی تاریخی سرمایہ کاری کا وعدہ حاصل کیا... مزید کہا کہ امریکہ اور سعودی عرب نے دفاعی شعبے میں تاریخ کے سب سے بڑے معاہدے پر دستخط کئے، جس کی مالیت تقریباً 142 ارب ڈالر ہے"۔(الجزیرہ، 2025/5/13)

ٹرمپ نے صرف مسلمانوں کا مال لُوٹنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کی بات بھی کی: "صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے منگل کے روز کہا کہ سعودی عرب جلد ہی ابراہم معاہدوں میں شامل ہو جائے گا... اور اس نے امید ظاہر کی کہ سعودی عرب جلد اسرائیل کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کا معاہدہ کرے گا۔" (اسکائی نیوز عربیہ، 2025/5/13)

پھر: "ٹرمپ نے، اپنے دورے کے دوسرے دن قطر روانہ ہونے سے قبل، ریاض میں شام کے عبوری سربراہ احمد الشرع سے ملاقات کی... اس ملاقات میں ترک صدر اردگان نے آن لائن شرکت کی... "بی بی سی، 2025/5/14)

برطانوی اخبار "ٹائمز" نے احمد الشرع کے ساتھ ہونے والی ملاقات سے متعلق پس پردہ حالات بے نقاب کئے۔ "ٹائمز نے بتایا کہ صدر الشرع نے، سعودی عرب اور ترکی کی اہم شخصیات کے ذریعے، امریکی صدر کو لبھانے کی کوشش میں دارالحکومت دمشق میں "ٹرمپ ٹاور" بنانے کا عندیہ دیا ہے... ٹائمز نے مزید کہا کہ برطانوی اخبار کے خفیہ ذرائع کے مطابق، الشرع نے، ابراہم معاہدوں میں شمولیت کے لئے مذاکرات شروع کرنے کی پیشکش کی ہے"۔ (بی بی سی، 2025/5/13). اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابنِ سلمان اور ترک صدر ہی اس منصوبے کے "اصل محرک" ہیں!

2- پھر ٹرمپ قطر پہنچتا ہے، اور وہاں بھی اسے ایسے خوش آمدید کہا جاتا ہے گویا وہ دوست ہو، دشمن نہیں! حالانکہ ٹرمپ وہی ہے جس نے قطر کو مجبور کیا کہ وہ یہودیوں کے ساتھ مذاکرات کا مرکز بنے، تاکہ ان مذاکرات کے ذریعے وہ سب کچھ یہودی وجود کو دے دیا جائے جو وہ کم تعداد اور محدود وسائل رکھنے والے مومنوں سے جنگ میں نہیں لے سکا۔ ٹرمپ نے قطر پر یہ ذمہ داری تھوپ دی جیسے کہ گویا وہ غیر جانب دار ہو، حالانکہ در حقیقت وہ یہودی وجود کے کہیں زیادہ قریب ہے۔

پھر بھی قطر کا حکمران محبت و اخلاص سے اسے خوش آمدید کہتا ہے، جیسے کہ وہ کوئی دیرینہ ساتھی اور عزیز ہو۔ وہ ان کے بیچ اپنے فوجی اڈے کا دورہ کرتا ہے اور وہ اسے روک بھی نہیں سکتے، حالانکہ یہ اڈہ دراصل وہ مرکز ہے جہاں سے امریکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف جنگ چھیڑے ہوئے ہے۔

ٹرمپ نے اپنے فوجی اڈے پر کھڑے ہو کر، قطر کے سامنے یہ اعلان کیا کہ: "قطر 'العدید ہوائی اڈے' پر 10 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا، جو مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈہ ہے..." (اسکائی نیوز عربیہ، 15/5/2025)۔ یہ بات ٹرمپ نے قطر کے دورے کے اختتام پر کہی۔

3- پھر ٹرمپ اپنے خلیجی دورے کے آخری مرحلے میں متحدہ عرب امارات پہنچتا ہے... اور وہاں جو منظر وہ دیکھتا ہے، وہ اسے کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملا! اس کے استقبال کے لئے مسجد بند کر دی جاتی ہے — جی ہاں، مسجد صرف اس کے 'اعزاز' میں بند کر دی گئی! اس نے کہا: "یہ پہلا موقع ہے جب انہوں نے امریکہ کے اعزاز میں، مسجد کو بند کیا ہے۔ یہ میری ذات کو عزت دینے سے بھی بڑا اعزاز ہے۔ یہ میرے ملک کے لئے اعزاز ہے، اور ایک عظیم خراجِ تحسین ہے"... اور ابن زید نے ٹرمپ کو "وسام زید" سے نوازا — یہ امارات کا سب سے بڑا تمغہ ہے جو سربراہانِ مملکت کو دیا جاتا ہے...

پھر امارات 1.4 ٹریلین ڈالر کی سرمایہ کاری کا اعلان کرتا ہے:

"متحدہ عرب امارات کے صدر نے، ابو ظہبی کے قصر الوطن میں امریکی صدر کے استقبال کے دوران اعلان کیا کہ ان کا ملک اگلے دس برسوں میں امریکہ میں 1.4 ٹریلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا..." (بی بی سی، 15/5/2025)

پھر ٹرمپ ان خائن حکمرانوں کی وجہ سے مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کر کے فخر سے کہتا ہے: "یہ ایک تاریخ ساز دورہ ہے۔ ماضی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ چار یا پانچ دنوں میں 3.5 سے 4 ٹریلین ڈالر جمع کر لئے گئے ہوں!!" (بی بی سی، 15/5/2025)

اور پھر وہ مسلمانوں کا مال سمیٹ کر نیلے قالین پر چلتے ہوئے اس خطے سے رخصت ہوتا ہے: "... ٹرمپ، اماراتی سربراہ محمد بن زاید کے ہمراہ ابو ظہبی ائرپورٹ کے رن وے پر آیا اور دونوں رہنما نیلے قالین پر چلتے ہوئے غیر رسمی بات چیت کرتے رہے..." (سی این این، 16/5/2025)

**4-** یوں ان مسلم ممالک کے حکمران، اللہ اور اُس کے رسول اور مؤمنین کے سامنے شرم کئے بغیر، ایسے اِس مجرم کو خوش آمدید کہتے ہیں! وہ ان کے ساتھ، مسلمانوں کے مال و جان کی تجارت کرتا ہے، اور مسلمانوں کا مال لوٹتا ہے — وہ مال جو ان حکمرانوں کی ملکیت نہیں بلکہ مسلمانوں کی امانت ہے: "قطر میں، ٹرمپ نے ایک کاروباری اجلاس کے دوران، دوحہ میں کہا کہ اس کا خلیجی دورہ ممکنہ طور پر چار ٹریلین ڈالر تک کے معاہدے سمیٹ سکتا ہے... اس نے مزید کہا: 'یہ ایک تاریخ ساز دورہ ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ چار یا پانچ دنوں میں 3.5 سے 4 ٹریلین ڈالر حاصل کر لئے گئے ہوں'" (بی بی سی، 15/5/2025)

5- یہ واقعی عظیم مصیبتوں میں سے ایک ہے کہ ایسے افراد مسلمانوں کے ممالک پر حکمران بنے بیٹھے ہیں، جو ٹرمپ جیسوں کے لئے اپنے ملک کو میدانِ عیش و عشرت بنا دیتے ہیں، تاکہ وہ اس میں آزادانہ گھومیں اور حکم چلائیں۔

یقیناً یہ ایک عظیم فتنہ ہے کہ ایسے لوگ مسلمانوں پر حکمران ہوں، جو کافروں، خصوصاً اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے لئے دائیں اور بائیں سے تالیاں بجاتے ہیں، خیانت کو امانت بنا کر پیش کرتے ہیں، جھوٹ کو سچ کا لبادہ اوڑھا دیتے ہیں، اور عوام کے معاملات کو بدترین گناہوں اور ہلاکت خیز اعمال کے ذریعے چلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس حدیث میں سچ فرمایا جسے احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّهَا سَتَأْتِي عَلَى النَّاسِ سِنُونَ خَدَّاعَةٌ، يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ. قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ؟ قَالَ: السَّفِيهُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ» "لوگوں پر عنقریب فریبی و مکاری والا زمانہ آئے گا، اس میں جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا اور خائن کو امین اور امانتدار کو خائن قرار دیا جائے گا اور «رويبضہ» گفتگو کریں گے۔" پوچھا گیا کہ «رويبضہ» سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کم عقل لوگ جو عوام الناس کے امور پر بحث و مباحثہ کریں"۔**

6- اے مسلمانو! **﴿وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ "اللہ کی رحمت سے ہرگز نااُمید نہ ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی نااُمید ہوتے ہیں"** (سورۃ یوسف: آیت 87)

بے شک، چاہے ٹرمپ کتنا ہی سرکش بن جائے، اور اس کا تکبّر و گھمنڈ اسے کتنا ہی مغرور کر دے، اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو اس جیسے سرکشوں کا پہلے ہو چکا ہے۔ یہ ظلم و طغیان میں اندھا شخص یا تو بھول چکا ہے یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے کہ اس سے پہلے اس جیسے لوگوں کے ساتھ کیا بیت چکی ہے۔ اس سے پہلے بھی فارس کے کسریٰ اور روم کے قیصر اپنے ظلم و بغاوت میں حد سے گزرے، تو اللہ نے ان پر وہاں سے ضرب لگائی جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا—جہاد کے ذریعے، اسلامی فتوحات کے ذریعے، اور اس نور کے ذریعے جو اسلام نے ان کی سرزمینوں میں پھیلایا۔

اور یہ بھی یقینی ہے کہ چاہے آج مسلم دنیا کے حکمرانوں پر ان کی شر انگیزی کتنی ہی غالب کیوں نہ آ جائے، یہ حکمران بھی اللہ کے حکم سے ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ مسلمانوں کی سرزمین پاک ہے، اور اس میں وہ لوگ ٹھکانا نہیں بنا سکیں گے جو اسے استعماری کافر کے ذریعے ناپاک کرنے کی کوشش کریں۔

7- **اے مسلمانو!** بے شک حزب التحریر، وہ رہنما ہے جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتی۔ حزب التحریر پورے وثوق کے ساتھ جانتی ہے کہ جابرانہ حکمرانی کا یہ دور کہ جس میں ہم آج جی رہے ہیں، ضرور ختم ہو گا، اور اللہ کے اذن سے خلافتِ راشدہ

دوبارہ قائم ہوگی۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**«.. ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ»** "...**پھر جبر کی حکومت ہوگی، اور وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے کہ وہ رہے، پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہوگی، پھر آپ خاموش ہو گئے**"۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت یہ نہیں ہے کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوں جو ہمارے لئے خلافت قائم کریں، ہمارے دشمن سے لڑیں اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہوں۔ بلکہ اللہ اپنے فرشتوں کو، اُن لوگوں کے لئے مدد کے طور پر اور بشارت کے طور پر نازل کرتا ہے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور جنہیں اللہ نے ہدایت عطا کی—ایسے مردانِ حق کے لئے نازل کرتا ہے جو اللہ کے لشکر بنیں، جنگ میں ثابت قدم رہیں، اپنے امام کی قیادت میں حفاظت حاصل کریں، اور اس کے پیچھے رہ کر دشمنوں سے نبرد آزما ہوں، اور اپنی خلافت کو از سرِ نو قائم کریں۔ تب اُن کے لئے خوشخبری ہے:

**﴿نَصۡرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتۡحٌ قَرِيبٌۗ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِينَ﴾**

**"اللہ کی طرف سے مدد اور جلد آنے والی فتح، اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو"** (سورۃ الصف: آیت 13)

20ذوالقعدہ1446ھ — حزب التحریر

اتوار،18 مئی2025ء

[فہرست](#)

# قرآنِ مجید زبان دانی کا معجزہ ہے جو رسول اللہ محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے!

مصعب عمیر، ولایہ پاکستان

## تعارف: قرآنِ مجید عربی زبان کا معجزہ ہے جس کی مثل لائی نہیں جاسکتی

قرآنِ مجید معجزانہ خصوصیات کا حامل ہے۔ لفظ معجزہ، **عجز** (بے بسی، لاچارگی) سے ہے، یعنی معجزہ وہ ہے کہ انسان اس کی نقل کرنے یا اس جیسی تخلیق کرنے سے قاصر ہو۔ یہ وہ حتمی تصدیقی ثبوت ہے جو آخری نبی اور رسول، محمد ﷺ کو ان کے رسالت کی توثیق کے طور پر عطا کیا گیا۔ جب "اعجاز" کے مفہوم کا اطلاق قرآن پر کیا جائے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن الہامی طور پر ہی منفرد ہے اور قرآن کا کلام اپنے معیار کے لحاظ سے انسانی صلاحیت سے بالاتر ہے۔ قرآن کا یہ چیلنج عرب کے نامور شاعروں کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ عربی زبان پر اپنی فصاحت اور عبور و مہارت کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ اور یہ چیلنج قیامت تک کے لئے ہے۔

## یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت ہے کہ معجزات رسالت کے حق ہونے کو ثابت کرتے ہیں

اپنے رسولوںؑ کے ذریعے پہنچائے گئے پیغام کی سچائی کو ثابت کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت ہے۔ پیغام کے سچے ہونے کی توثیق معجزات سے ہوتی ہے، جو ان معاشروں کے لحاظ سے موزوں ہوتے ہیں جن کے لیے وہ الہامی پیغام بھیجا جاتا ہے۔ امام باقلانی اپنی کتاب "إعجاز القرآن" میں بیان کرتے ہیں "فقد أيد الله جل جلاله موسى عليه السلام وكان عصره عصر سحر بفلق البحر، وانقلاب العصا حية تسعى، وانبجاس الحجر الصلد بعيون الماء الرواء. وأيد عيسى عليه السلام وكان عهده عهد طب بإبراء الاكمه والابرص وخلق الطير من الطين، وإحياء الموتى بإذنه "موسیٰ علیہ السلام کا دور جادوگری کا دور تھا، پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس دور میں سمندر کو چیر کر، بے جان عصا کو ایک جاندار اور حرکت کرتے سانپ میں بدل کر اور سخت چٹانی پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کرکے موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا دور طب میں مہارت کا دور تھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اندھے اور کوڑھی کو (بلا علاج) ٹھیک کرکے، مٹی کے پرندے میں جان ڈال کر اور مُردہ کو زندہ کرکے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی"۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ جادوگری کے فن میں مہارت کے دور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے موسیٰ ؑ کی ایسے معجزات سے مدد کی جس کا اپنے فن میں نامور اور مشّاق بھی مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ چنانچہ ساحروں میں سے سب سے ماہر جادوگر، موسیٰ ؑ کے دین پر ایمان لاتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔ اسی طرح، طِب کی مہارت کے دَور میں، موت، بیماری اور علاج سے تعلق رکھنے والے معجزات کے ذریعے عیسیٰ ؑ کی مدد کی گئی۔ یہ ایسا چیلنج تھا جس کا بنی اسرائیل کے ماہر طبیب بھی مقابلہ نہیں کرسکتے پس لوگوں پر عیسیٰ علیہ سلام کے پیغام کی حقانیت واضح ہو گئی۔

## قرآنِ پاک کے زبان دانی کے معجزے نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا

جہاں تک آخری پیغمبرؐ، اللہ کے رسول ﷺ اور ہمارے آقا محمد ﷺ کا ذکر ہے، وہ اُس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو عربی زبان پر عبور اور مہارت رکھتی تھی۔ دیگر معجزات کے علاوہ، جو قرآنِ مجید اور مستند احادیث میں مذکور ہیں، رسول اللہ ﷺ کو قرآنِ پاک کا معجزہ عطا کیا گیا جو کہ انسانیت کے لئے بے مثال اور عاجز کر دینے والا تھا۔ دوسرے معجزات کے بر عکس، صرف قرآنِ مجید کے معجزے ہی کو چیلنج کے طور پر اہلِ مکہ کے سامنے رکھا گیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی توثیق پر مُہر ثبت ہو جائے۔

قرآنِ پاک ایک ایسا معجزہ ہے جو کہ تمام انسانیت کو عاجز کر دینے والا اور یکتا و لاثانی ہے کیونکہ یہ تمام انسانیت کے لئے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ امام باقلانی بیان کرتے ہیں: ولما أرسل رسوله محمدا، صلى الله عليه وسلم، إلى الناس أجمعين، وجعله خاتم النبيين - أيده بمعجزات حسية كمعجزات من سبقه من المرسلين، وخصه بمعجزة عقلية خالدة، وهى إنزال القرآن الكريم، الذى لو اجتمعت الانس والجن على أن يأتوا بمثله لم يستطيعوا ولم يقاربوا، ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا، "اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول، محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے آخری نبی بنا کر مبعوث کیا، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قابلِ محسوس معجزات کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد کی جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے آنے والے رسولوں کو معجزات عطا کیے تھے۔ تاہم، آپ ﷺ کو ایک ہمیشہ باقی رہنے والا عقلی معجزہ عطا کر کے ایک ممتاز مقام عطا کیا، جو کہ قرآنِ پاک کا نزول ہے۔ اگر تمام انسان و جن اِس جیسی کوئی مثال بنانے کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو نہیں بنا سکیں گے بلکہ وہ اس کے قریب بھی نہ پہنچ سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کرلیں"۔

قرآنِ پاک جیسا لسانی معجزہ اُس معاشرے کے لحاظ سے بالکل موزوں تھا جس پر قرآن نازل ہوا۔ امام باقلانی نے لسانی مہارت میں عربوں کی قابلیت کو تفصیلاً بیان کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ جب عربوں کو قرآن کے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا تو وہ کس طرح عاجز و بے بس ہو گئے، بیان کرتے ہیں: وكان ذلك في زمان سما فيه شأن البيان، وجلت مكانته في صدور أهله، وعرفوا باللسن والفصاحة، وقوة العارضة في الاعراب عن خوالج النفوس، والابانة عن مشاعر القلوب. وظل رسول الله صلوات الله عليه، يتحداهم بما كانوا يعتقدون في أنفسهم القدرة عليه، والتمكن منه، ولم يزل يقرعهم ويعجزهم، ويكشف عن نقصهم، حتى استكانوا وذلو "یہ وہ زمانہ تھا جب اظہارِ بیان عروج پر تھا اور اس کی قوت لوگوں کے دلوں پر راج کرتی تھی۔ وہ اپنی زبان دانی اور بلاغت کے ساتھ ساتھ نفسانی جذبات کے بھرپور اظہار اور دلوں میں جذبات اُبھارنے کی طاقت کے لحاظ سے جانے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عربوں کو مسلسل اس شے پر چیلنج کرتے رہے جس میں وہ خود کو بہت قابل سمجھتے تھے اور مستحکم تھے۔ اور آپ ﷺ مسلسل عربوں کو حیران کرتے رہے اور ان کی عاجزی ظاہر کر کے انہیں شرمندہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی خامی و کمزوری منکشف ہو گئی اور وہ ذلیل ہو کر رہ گئے"۔ درحقیقت، عرب اپنی زبان پر عبور و کمال میں اس قدر منہمک تھے کہ انہوں نے کسی اور معاملے میں کم ہی مہارت حاصل کی۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت تھی کہ آخری نبی، محمد ﷺ کو ایسا معجزہ عطا کیا گیا جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی رہتی دنیا تک انسانیت میں موجود ہے۔ ابنِ خلدون اپنی تصنیف "المقدمه" میں قرآن کے معجزہ کے منفرد ہونے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: فاعلم أن أعظم المعجزات وأشرفها وأوضحها دلالة القرآن الكريم المنزل على نبينا محمد فإن الخوارق في الغالب تقع مغايرة للوحي الذي يتلقاه النبي ويأتي بالمعجزة شاهدة بصدقه والقرآن هو بنفسه الوحي المدعى وهو الخارق المعجز فشاهده في عينه ولا يفتقر إلى دليل مغاير له كسائر المعجزات مع الوحي فهو أوضح دلالة لاتحاد الدليل والمدلول فيه وهذا معنى قوله ما من نبي من الأنبياء إلا وأتي من الآيات ما مثله أمن عليه البشر وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحي إلي فأنا أرجو أن أكون أكثرهم تابعا يوم القيامة يشير إلى أن المعجزة متى كانت بهذه المثابة في الوضوح وقوة الدلالة وهو كونها نفس لوحي كان الصدق لها أكثر لوضوحها فكثر المصدق المؤمن وهو التابع ولأمه، "جان لو کہ قرآنِ کریم جو ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، کا ثبوت اور دلیل، عظیم ترین، پاکیزہ اور واضح ترین معجزہ ہے۔ قاعدے کے طور پر، معجزات اس وحی کے علاوہ ہوتے ہیں جو ایک نبی پر آتی ہے۔ معجزات، اُس نبی علیہ السلام کی صداقت کے ثبوت کے

طور پر ہوتے ہیں اور یہ بالکل طے بات ہے۔ اس کے برخلاف، قرآنِ مجید، خود ایک وحی ہے، جبکہ یہ اپنے آپ میں ہی ایک حیرت انگیز معجزہ بھی ہے۔ یہ خود ہی اپنا ثبوت ہے۔ وحی سے منسلک دوسرے معجزات کی طرح اسے کسی بیرونی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک شفاف ترین ثبوت ہے کیونکہ اس میں دلیل اور مدلل دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے، "**«مَا مِن نبيّ من الأنبياء إلا أُعْطِيَ من الآياتِ ما مثلُهُ آمَنَ عليه البشر، وَإِنَّمَا كانَ الذي أُوتيتُهُ وَحْيا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ ، فأرجو أن أَكونَ أَكثرَهُم تابعا يومَ القيامةِ»** "**ہر نبی کو بنی نوع انسان کی یقین دہانی کے لئے بے مثال نشانیاں (معجزات) دی گئیں۔ جو نشانی مجھے عطا کی گئی وہ وحی بھی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی۔ اسی لئے میں قیامت کے روز سب سے زیادہ پیروکاروں کی امید کرتا ہوں**" (بخاری)۔ آپ ﷺ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف تھا کہ ایک معجزہ جو بذاتِ خود وحی بھی ہو، ثبوت کو اس قدر واضح اور مضبوط کر دیتا ہے کہ اس کے اس قدر واضح ہونے کی وجہ سے ہی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اسے سچا پائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی کثیر تعداد رسول اللہ ﷺ کو سچا مانتی ہے اور اُن پر ایمان رکھتی ہے اور یہی اسلامی امت ہے"۔

## عربی زبان کے ماہرین کے لئے قرآنِ کریم کا چیلنج

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عربوں کو قرآن جیسا کلام بنا کر لانے کا چیلنج دیا اور پھر ان کی مایوسی میں اضافہ کرتے ہوئے اس چیلنج کو کم کر کے صرف دس سورتوں اور پھر صرف ایک ایسی سورت کا کر دیا جو سورتوں میں سے مختصر ترین سورت ہے، جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔ مشہور عالم سیوطی اپنی تصنیف، "**قرآنی علوم میں مہارت**" (الإتقان في علوم القرآن) کی جلد 3، باب 64 میں اس چیلنج کی تاریخ کو یوں قلمبند کرتے ہیں: وَلَمَّا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ وَكَانُوا أَفْصَحَ الْفُصَحَاءِ ومصا قع الْخُطَبَاءِ وَتَحَدَّاهُمْ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِهِ وَأَمْهَلَهُمْ طُولَ السِّنِينَ فَلَمْ يَقْدِرُوا كَمَا قَالَ تَعَالَى {فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ } ثُمَّ تَحَدَّاهُمْ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِنْهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى {أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ } ثُمَّ تَحَدَّاهُمْ بِسُورَةٍ فِي قَوْلِهِ: {أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ } الْآيَةَ ثُمَّ كَرَّرَ فِي قَوْلِهِ: {وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِهِ } الْآيَةَ فَلَمَّا عَجَزُوا عَنْ مُعَارَضَتِهِ وَالْإِتْيَانِ بِسُورَةٍ تشبهه على كثرة الخطباء فيهم وَالْبُلَغَاءِ نَادَى عَلَيْهِمْ بِإِظْهَارِ الْعَجْزِ وَإِعْجَازِ الْقُرْآنِ فَقَالَ: {قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْأِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً } "جب رسول اللہ ﷺ اُن کے سامنے یہ چیلنج لائے، اس وقت وہ لوگ سب سے زیادہ فصیح

تھے، تو آپ ﷺ نے انہیں چیلنج کیا کہ وہ قرآن جیسا کچھ لا کر دکھائیں، کئی سال گزر گئے مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ** ﴾ **"اگر یہ واقعی سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لائیں"** (سورۃ الطور: 34)، پھر انہیں دس سورتوں کا چیلنج دیا گیا، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ** ﴾ **"کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے۔ کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ جس کو مدد کے لئے بلا سکتے ہو، تو بلا لو، اگر تم سچے ہو"** (سورۃ الھود: 13)۔ پھر انہیں صرف ایک ہی سورت لانے کا چیلنج دیا، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ** ﴾ "کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے۔ تو کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ" (سورۃ یونس: 38)۔ جب وہ (عرب) قرآن جیسی ایک سورۃ بھی تیار کرنے سے قاصر رہے حالانکہ ان میں سب سے اعلیٰ پائے کے زبان پر عبور رکھنے والے فصیح و بلیغ موجود تھے تو ان کے چیلنج کو پورا کرنے میں ناکامی نے قرآن کی بے مثالی اور اعجاز کو واضح کر دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا** ﴾ "کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہو جائیں" (سورۃ الاسراء: 88)۔

## عہدِ نبوی ﷺ میں عربی لغت کے ماہرین کی ناکامی

شاعری اور نثر، دونوں میں ماہرِ لسانیات کی کثیر تعداد کی موجودگی کے باوجود، قرآن کے چیلنج کا مقابلہ نہ کیا جا سکا۔ امام باقلانی بیان کرتے ہیں: وقد أدهش القرآن العرب لما سمعوه، وحير ألبابهم وعقولهم بسحر بيانه، وروعة معانيه، ودقة ائتلاف ألفاظه ومبانيه، فمنهم من آمن به ومنهم مكفر، وافترقت كلمة الكافرين على وصفه، وتباينت في نعته، فقال بعضهم، هو شعر، وقال فريق: إنه سحر، وزعمت طائفة أنه أساطير الاولين اكتتبها محمد، فهى تملى عليه بكرة وأصيلا، وذهب قوم أنه إفك افتراه وأعانه عليه قوم آخرون. "جب عربوں نے اسے سنا تو قرآن کریم نے انہیں دنگ کر دیا۔ اس (قرآن) نے اپنے مسحور کن اندازِ بیان، اپنے معانی کی شان، الفاظ کے احاطے اور امتزاج میں باریکی سے ان کے دل و دماغ کو مسحور کر دیا۔ ایسے بھی لوگ تھے جو اس پر ایمان لانے والے تھے اور ایسے بھی تھے جو اس کا انکار کرنے والے

تھے۔ اس کی خصوصیات کے حوالے سے اور اس کی ترکیب کے بارے میں کفار کے مختلف ردِ عمل تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ شاعری ہے اور ایک گروہ نے کہا کہ یہ سحر ہے جبکہ دوسرے گروہ نے دعویٰ کیا کہ یہ قدیم لوگوں کے افسانے ہیں، جو محمد ﷺ نے لکھے ہیں اور جو صبح و شام اُن کو کوئی لکھوا جاتا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ جھوٹ ہے جو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور اس میں اجنبی لوگوں نے ان کی مدد کی ہے"۔

جب عرب قرآنِ کریم کو سنتے تھے تو اس کی اعلیٰ و شاندار فصاحت و بلاغت سے مغلوب ہوتے چلے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ عربی زبان کے ماہر، ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کو جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو اس نے کہا: والله ما منكم رجل أعرف بالأشعار مني ولا أعلم برجزه وقصيده مني والله ما يشبه الذي يقوله شيئاً من هذا، والله إن لقوله الذي يقوله لحلاوة وإن عليه لطلاوة، وانه لمورق أعلاه مغدق أسفله، وإنه ليعلو ولا يعلى عليه "اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ شاعری پر عبور رکھنے والا نہیں یا مجھ سے زیادہ شاعری کے رَجَز (شعر کی ایک بحر کا نام، اوزان میں سے ایک وزن) یا قصیدہ میں علم نہیں رکھتا! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسی کوئی بھی شے نہیں جو ذرہ بھر بھی اس سے مشابہت رکھتی ہو جو آپ ﷺ کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم، وہ جو کچھ بھی بولتے ہیں، اس میں شائستگی اور مٹھاس ہے۔ یہ اپنی ابتداء پر فراواں اور وسیع ہے اور انتہا پر تازہ و شاداب ہے۔ یقیناً یہ سب سے اعلیٰ و بلند ہے اور اس سے اعلیٰ و برتر کچھ نہیں"۔ یہ اعتراف اس حقیقت کے باوجود ہے کہ ولید بن مغیرہ تکبر کے ساتھ اپنے کفر پر ڈٹا رہا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں عربی لسانیات کے سرِ فہرست ماہرین، رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پائے جاتے تھے۔ کوئی بھی قرآن جیسی ایک بھی سورت آج تک نہیں بنا سکا اور سب سے زیادہ علم رکھنے والوں نے تو اس کی کوشش ہی نہیں کی۔

## معجزاتی قرآن کا بے مثال انداز

اپنی تصنیف، إعجاز القرآن میں، امام باقلانی فرماتے ہیں: تأليف القرآن البديع، ووصفه الغريب، ونظمه العجيب، "قرآنِ پاک کی ترکیبی تالیف بے مثال تھی، اسکا وصف ماورائے فطرت اور اس کا نظم غیر معمولی ہے"۔

امام خطابی، بیان إعجاز القرآن، میں فرماتے ہیں: اعلم أن القرآن إنما صار معجزًا لأَنه جاءَ بأَفصح الألفاظ في أحسن نظوم التأليف مضمنًا أصح المعاني "جان لیں کہ قرآن معجزانہ طور پر بے مثال ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ فصیح الفاظ کے ساتھ آیا ہے جو کہ سب سے احسن ترکیب میں تالیف کردہ ہیں، اور جو سب سے زیادہ درست معانی رکھتے ہیں"۔

اپنی کتاب، الإتقان في علوم القرآن (علومِ قرآن میں مہارت) میں امام سیوطی واضح کرتے ہیں کہ کیسے قرآن کے: وَبَلَاغَةِ أُسْلُوبٍ تَبْهَرُ الْعُقُولَ وَتَسْلُبُ الْقُلُوبَ وَإِعْجَازُ نَظْمٍ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا عَلَّامُ الْغُيُوبِ " اسلوب (انداز) نے عقلوں کو حیران کر دیا اور دلوں کو مغلوب کر دیا جبکہ اس کی ادبی شکل (نظم) کا معجزہ کہ اللہ عالمِ غیب کے سوا کوئی ایسے کلام پر قادر نہیں"۔

آیات کے الفاظ، انداز (اسلوب) اور معانی، انسانی جذبات کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ قرآن کا معجزہ اپنی فصاحت و بلاغت میں حیرت انگیز درجہ کا ہے۔

فصاحت کے بارے میں کہا جاتا ہے: سلامة الألفاظ من اللَّحْن والإبهام وسوءِ التأْليف، "الفاظ گرامر کی غلطی، ابہام اور بری ترتیب سے پاک ہوں"۔

بلاغت کے بارے میں کہا جاتا ہے: عِلْمُ البَلاغَةِ: عِلْمُ الْمَعانِي والبَيانِ والبَديعِ "بلاغت کا علم یہ ہے: علمِ بلاغت، علمِ معانی اور خطابت کا علم"۔ علم معانی سے مراد ہے ایسے مناسب الفاظ کا چناؤ جن کے اندر موجود معانی لغوی ترکیب کے اعتبار سے، مقصود تصور کے اظہار کیلئے انتہائی موزوں ہوں۔ بیان کا علم، سننے والے اور اس کے حالات کے مطابق مناسب الفاظ استعمال کرنے سے متعلق ہے، اس اصول کی بنا پر کہ جملے کا مقصد و مقصود کیا ہے۔ صراحت (بدیع) کا علم، معانی اور الفاظ دونوں کے ذریعے، کلام کی وسعت و جمال کے متعلق ہے تاکہ اس کے اثر کی مضبوطی جاندار ہو۔

اسلوب معانی کو مربوط الفاظ کے ذریعے ترتیب دینا ہے۔ اسلوب زبان کے ذریعے معنی کو ایک شکل دینے کا طریقہ ہے۔ قرآن کے اسلوب میں ایسی شفاف وضاحت، قوت اور جمال ہے کہ بنی نوع انسان اس پر قادر نہیں۔ اس کی ادبی شکل (نظم)،

عربوں کے رائج انداز کے مطابق نہیں اور یہ لاثانی ہے۔ اپنے نظم (ادبی شکل) میں، قرآن عربوں کی اختیار کردہ نثر اور شاعری میں سے کسی چیز سے مماثل نہیں۔

## قرآن کے معجزاتی اسلوب میں موجود شفافیت (وضوح) کے وصف کی تفصیل:

اسلوب میں شفافیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جب اظہار کے لیے مناسب ترین الفاظ / اظہارِ بیان اختیار کرنے سے مقصود معانی نمایاں ہو جائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿**وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ**﴾ "اور کافر کہیں گے، اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور غُل مچا دیا کرو (جب وہ پڑھنے لگیں)، شاید کہ تم غالب ہو جاؤ" (سورۃ فصّلت: 26)۔ اس آیت کی تفسیر میں، ابنِ کثیر کہتے ہیں: وكانوا إذا تلي عليهم القرآن أكثروا اللغط والكلام في غيره، حتى لا يسمعوه، "اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تھا تو وہ شور شرابا اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتے تھے تاکہ وہ اسے سن ہی نہ سکیں"۔

﴿ **وَالْغَوْا فِيهِ** ﴾، "شور شرابا کرنے" کے حوالے سے امام مجاہد تبصرہ کرتے ہیں: الْمُكَاءُ وَالتَّصْفِيرِ، وَتَخْلِيطٌ مِنَ الْقَوْلِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ، قُرَيْشٌ تَفْعَلُهُ، " رسول اللہ ﷺ جب قرآن کی تلاوت کرتے تو مشرکین سیٹیاں بجاتے، آوازیں لگاتے اور قہقہے لگاتے اور قریش نے ایسا ہی کرتے تھے"۔ ابنِ عباسؓ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ یہ (عيبوه) ہے یعنی وہ عیب نکالنے لگتے تھے۔

درحقیقت، قرآن کے شفاف اندازِ بیان نے عرب کی مہارتِ زبان کو زک پہنچائی اور وہ اپنی سماعت کو اور چیزوں پر مرکوز کرنے پر مجبور ہو گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن ان پر غالب آ جائے۔

امام باقلانی قرآنِ پاک کی زبردست شفافیت کے حوالے سے کہتے ہیں: فما أشرفه من كتاب يتضمن صدق متحمله، ورسالة تشتمل على قول مؤديها. بين فيه سبحانه أن حجته كافية هادية، لا يحتاج مع وضوحها إلى بينة تعدوها، أو حجة تتلوها، وأن الذهاب عنها كالذهاب عن الضروريات، والتشكك في المشاهدات، "اس کتاب کے عزت وشرف کے اعلیٰ ترین ہونے کیا کہنے، جو اپنے لانے والے کی سچائی کی ضامن ہے اور اس کا پیغام ہدایت دینے والے کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ اُس ذاتِ پاک نے دلائل واضح

کئے جو ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ اس کلامِ ربی کی شفافیت و وضاحت کے لیے مزید کسی وضاحتی ثبوت یا دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس سے انحراف، ایک بدیہی چیز کو ترک کر دینے اور واضح حقیقت پر شک کرنے کے مترادف ہے"۔

## قرآن کے معجزاتی اسلوب میں موجود قوت کے وصف کی تفصیل:

عربی نہ صرف گرامر کے لحاظ سے ایک پیچیدہ اور باریک زبان ہے بلکہ یہ ایک صوتی اثرات پیدا کرنے والی زبان ہے، جہاں الفاظ صوتی اثرات پیدا کر کے اپنا مفہوم اور معانی بالکل واضح انداز سے بیان کر دیتے ہیں۔

قرآن کے اسلوب میں موجود قوت الفاظ کے لاثانی انتخاب کی وجہ سے ہے جو اُن معانی سے مطابقت رکھتے ہیں جو وہ الفاظ دیتے ہیں۔

قرآن میں رقیق معانی کا اظہار رقیق آواز والے الفاظ کے ذریعے ہوا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿**وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا (17) عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا**﴾ "اور اُن کو وہاں ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں زنجبیل کی آمیزش ہو گی، اور وہاں (بہشت میں) ایک چشمہ ہے، جس کا نام سلسبیل ہے" (سورۃ الانسان :17-18)۔

فراوانی (جَزْل) کے معانی کا اظہار، کانوں کو فراوانی کا احساس دینے والے الفاظ کے ذریعے کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا،﴿ **إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (21) لِّلطَّاغِينَ مَآبًا (22) لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا** ﴾ "بے شک جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانہ ہے۔ وہ وہاں مدتوں پڑے رہیں گے" (سورۃ النباء: 21-23)۔

مذمت (مُسْتَنْكَر) کا اظہار اُن الفاظ کے ذریعے کیا گیا ہے جو سننے میں غیر خوشگوار ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ **إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ**﴾ "بے شک آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے" (سورۃ لقمان :19)۔

## قرآن کے اسلوب میں موجود جمال کا بیان:

جہاں تک اسلوب میں جمال کا تعلق ہے، یہ ان معانی کے لئے خالص ترین اور موزوں ترین الفاظ کے چناؤ کے نتیجے میں ہے۔ جو معنی یہ الفاظ بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اسی جملے یا اس سے متصل جملوں میں دوسرے الفاظ اور معانی مل کر ایک انتہائی انگیز اور دل میں اتر جانے والی منظر کشی کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (2) ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴾ "ایک وقت آئے گا کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (اے محمد ﷺ) اُن کو ان کے حال پر ہی رہنے دو کہ کھائیں اور برت لیں اور ان کی آرزوئیں انہیں مشغول رکھیں، عنقریب وہ (اس کا انجام) جان لیں گے" (سورۃ الحجر: 2-3)۔

امام باقلانی نے قرآن کے کلام کے جمال کے حوالے سے کہا: والمنادى على نفسه بتميزه، وتخصصه برونقه وجماله، واعتراضه في حسنه ومائه "اس (قرآن) کی انفرادیت ورونق، اسکی جاندار وضاحت (جمال)، اس کا کمال اور روانی کا اظہار خود اعلان کرتے ہیں..."۔ امام باقلانی مزید کہتے ہیں: فكل كلمة لو أفردت كانت في الجمال غاية "ہر ہر لفظ، خواہ وہ ایک اکیلا لفظ ہی کیوں نہ ہو، اپنے جمال میں اعلیٰ ترین درجے پر ہے"۔

سید قطب اپنی مفصل اور بصیرت انگیز تصنیف، ( التصور الفني في القرآن ) "قرآن کے فن کی عکاسی" میں بیان کرتے ہیں: فانظر إلى تعبير جميل كهذا التعبير: {وَلَوْ تَرَى إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ}. هذا التعبير الذي يرسم صورة حية للخزي في يوم القيامة، ويصور هؤلاء المجرمين شخوصًا قائمة يتملاها الخيال، وتكاد تبصرها العين لشدة وضوحها، وتسجيل هيئتها "ناكسو رؤوسهم" وعند من؟ "عند ربهم" فيخيل للسامع أنها حاضرة لا متخيلة.. هذه الصورة للهول لا تساوي من باحث في البلاغة۔ "اظہار کے جمال کی مثال کے طور پر اس جملے کے اندازِ منظر کشی پر غور کریں { وَلَوْ تَرَى إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ } "اور تم (تعجب کرو) جب دیکھو گے کہ گنہگار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے" (سورۃ السجدہ: 12)۔ یہ اظہار، قیامت کے دن کی رسوائی کی ایک لرزتی ہوئی عکاسی کرتا ہے۔ اس منظر میں وہ مجرم، اس طرح پچھتاتے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں کہ منظر تخیل پر چھاتا چلا جاتا ہے۔ وضاحت کی شفافیت کی وجہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آنکھیں نہ صرف وہ حقیقت دیکھ رہی ہیں بلکہ اُن کی حالت بھی ظاہر ہو رہی ہے جیسے کہ، نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ "اپنے سر جھکائے ہوئے"، اور کس کے سامنے؟ عِنْدَ رَبِّهِمْ، "اپنے

رب کے سامنے "۔ چنانچہ سننے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ اس منظر میں موجود ہے اور یہ کوئی تخیل نہیں۔ اس ہولناکی کی ایسی منظر کشی کا وضاحت وبلاغت میں کوئی ثانی نہیں۔

## قرآن کی ادبی تشکیل

قرآنِ پاک نے عربی زبان کے ماہرین کو شعر اور نثر کے اظہار کی معروف اقسام (طِرَاز) کے برعکس قرآن کی اپنی صنفِ تحریر کے اظہار سے ششش وپنج میں ڈال دیا اور یہ امر آج تک تمام انسانیت کیلئے باعثِ حیرت ہے۔ امام سیوطی اپنی تصنیف، (الإتقان في علوم القرآن) "قرآن کے علوم میں مہارت" میں لکھتے ہیں: إِعْجَازُ نَظْمٍ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا عَلَّامُ الْغُيُوبِ "یہ ادبی طرز کا ایسا معجزہ ہے جس پر کوئی قادر نہیں، سوائے عالمِ غیب (اللہ) کے"۔

اپنی ادبی طرز (نظم) میں قرآنِ پاک ہم آہنگ اور بالترتیب تال جیسی شاعری (الشِعْر المَوْزُون المُقَفَّى) کے روایتی طریقے کی پیروی نہیں کرتا۔

جہاں تک نثر کی اقسام کا تعلق ہے، تو قرآنِ پاک آزاد، غیر منظوم نثر (النَثْر المُرْسَل) کے طریقے پر بھی نہیں ہے۔ قرآن انسان کے بنائے ہوئے النَثْر المُزْدَوِج (شاعری اور آزاد نثر کے امتزاج) کے طریقے کے مطابق بھی نہیں ہے۔ مزدوج طریقے کی تشریح یوں ہے: يقوم هذا الأسلوب على تقسيم العبارات، وبراعة الموازنة بين الجمل؛ إذ تتعادل فيه الألفاظ، وتزدوج الجمل في تنسيقٍ منتظم، يتراوح بين الإيجاز والمساواة والإطناب، بحسب مقتضى الحال، "یہ طریقہ عبارت کی تقسیم کی بنیاد پر، جملوں کے متناسب توازن پر مشتمل ہوتا ہے۔ الفاظ توازن میں ہوتے ہیں اور جملے باقاعدہ ترتیب سے اختصار (إيجاز)، برابری (مُسَاوَاة) اور طول و مبالغہ (إِطْنَاب) کے ساتھ دہرائے جاتے ہیں، چاہے جو بھی موقع محل ہو"۔ اسی طرح قرآن قافیہ بند نثر (النَثْر المَسْجُوع) کے مطابق بھی نہیں ہے۔

قرآنِ پاک ایک ایسا منفرد کلام ہے جو عربوں نے اس سے پہلے نہ تو کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ حقیقت، کہ قرآن مجید ایک نوعِ خاص اور منفرد شاہکار ہے، ہر لحاظ سے واضح ہے اور یہ ایک ایسے نرالے انداز سے وضاحت و عکاسی کرتا ہے کہ جس کی مثل نوعِ انسانی کر ہی نہیں سکتی۔

## نثر کی ایک مخصوص قسم جو شاعری سے ملتی جلتی مگر شاعری نہیں ہے

قرآنِ پاک میں ایسی نثر ملتی ہے جو شاعری سے مماثلت تورکھتی ہے مگر یہ شاعری نہیں ہے اور نثر کی ہی ایک مخصوص قسم ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے،﴿وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ﴾"(اللہ) انہیں رُسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنین کے سینوں کو شفا بخشے گا"(سورۃ التوبہ:14)۔ قرآنِ مجید میں ہے،﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ "تم ہرگز نیکی (الْبِرَّ) کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک کہ تم اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے"(سورۃ آل عمران:92)۔ ان دونوں آیات میں موجود نثر کے الفاظ اشعار کی صورت میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ پہلی آیت کے الفاظ ایسے پیش کیے جاسکتے ہیں: ويخزهم وينصركم عليهم، ويشف صدور قوم مؤمنين۔ دوسری آیت کے الفاظ ایسے پیش کیے جاسکتے ہیں: لن تنالوا البر حتى، تنفقوا مما تحبون۔ تاہم یہ اشعار نما قافیے شاعری نہیں ہیں۔ بلکہ درحقیقت، یہ نثر کی ایک ایسی مثل ہیں جو کہ انتہائی نرالی اور بے مثال ہے۔

اسی طرح قرآن کی نثر کی وہ قسم بھی موجود ہے جو ہر لحاظ سے شاعری سے کوسوں دور ہے:﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (2) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (3) إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (4) فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ (5) خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ (6) يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ﴾ "قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی، اور تم کو کیا معلوم کہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے۔ وہ تارا ہے چمکنے والا، کوئی نفس ایسا نہیں جس پر کوئی نگہبان مقرر نہ ہو، تو انسان کو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے جو پیٹھ اور سینے کے بیچ (یعنی دونوں کے ملنے کے نتیجے) میں سے نکلتا ہے"(سورۃ الطارق:7-1)۔

## قرآن کی ادبی نوع میں فقرہ اور نَفَس (سانس) کو طویل یا مختصر کرنا

قرآنِ پاک میں جملے اور جملے کے حصوں پر مشتمل پیراگراف یا تحریر کے ٹکڑے موجود ہیں۔ ان کا طول یا اختصار تحریر میں بدلتا رہتا ہے۔ تحریر کے ساتھ تلاوت کے دوران سانس کا ایک نظم ہے، جس سے قاری ایک ہی سانس میں تلاوت کرلیتا ہے۔

قرآن مجید میں نثر کی ایسی قسم موجود ہے جس میں تحریر اور نفس دونوں طویل ہیں: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ

لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو یقیناً وہ اللہ کو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے" (سورۃ النساء:64)۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہی نثر کی ایسی قسم بھی موجود ہے جس میں فقرے اور سانس کو مختصر کیا گیا ہے: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (1) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا (2) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا (3) وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا﴾ "قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی۔ اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے چلے۔ اور دن کی جب وہ اسے روشن کر دے۔ اور رات کی جب وہ اس پر چھا جائے" (سورۃ الشمس:4-1)۔ درج بالا دونوں مثالوں میں طُول اور اختصار کے باوجود یہ نثر ہی کی مثالیں ہیں۔

علاوہ ازیں، قرآنِ پاک کی وہ تحریر جو موجود انسانی تشکیل کردہ آزاد، غیر منظوم نثر (النَّثْر المُرْسَل) سے مشابہ معلوم ہوتی ہے، اس میں بھی قرآن بے مثل و یکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن یہ آیت: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ "اے رسول ﷺ! آپ کو وہ لوگ غمگین نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے جبکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں، جھوٹی باتوں پر کان لگانے والے ہیں، جاسوسی کرتے ہیں ان دوسرے لوگوں کے لئے جو تمہارے پاس نہیں آئے۔ اس کے مقام میں ثابت ہونے کے بعد، کلام میں تحریف کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم کو یہی (حکم) دیا جائے تو اسے قبول کر لینا اور اگر نہ دیا جائے تو بچتے رہنا۔ اور اللہ جس کو چاہے کہ اسے فتنے میں ڈالے تو تم اللہ کے مقابلے میں ہرگز اسکے لئے ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے" (سورۃ المائدہ:41)۔

**قرآنِ پاک کی ادبی شکل میں قافیہ بند نثر**

قرآن پاک کی کچھ آیات کی خطابت میں (النَثْر المَسْجُوع) قافیہ بند نثر سے مشابہت محسوس ہوتی ہے مگر یہ اس سے بھی یکتا ولا ثانی ہے۔ قرآن میں بیان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ "اے چادر میں لپٹے ہوئے، اٹھو! پھر خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی پھر بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور (شرک کی) گندگی سے تو الگ ہی رہو۔ اور زیادہ لینے کی غرض سے احسان نہ کرو۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرتے رہو" (سورۃ المدثر:7-1)۔

قرآنِ پاک کی کچھ آیات کی النَثْر المُزْدوِج (شاعری اور آزاد نثر کے امتزاج) سے مماثلت محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ اس سے بھی الگ اور بے مثال ہے۔ جیسے قرآن میں ذکر ہے: ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (1) حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (2) كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (3) ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (4) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ (5) لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ﴾ "غفلت میں ڈالے رکھا تم کو زیادہ سے زیادہ مال کی حسرت نے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ بے شک تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، پھر ہرگز نہیں، تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، بے شک اگر تم علمِ یقین سے جانتے (تو غفلت میں نہ پڑتے)۔ تم ضرور دوزخ کو دیکھ لوگے" (سورۃ التکاثر:6-1)۔

قرآن جس شے میں انسانی اُزْدَوِج سے مشابہت رکھتا ہے تو یہ (قرآن) اس میں ایسے بے عیب طریقے سے لفظی ترکیب کو بڑھا دیتا ہے کہ سننے والا ششدر رہ جاتا ہے: ﴿قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (17) مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (18) مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (19) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (20) ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (21) ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ (22) كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ (23) فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (24) أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (25) ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (26) فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (27) وَعِنَبًا وَقَضْبًا (28) وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (29) وَحَدَائِقَ غُلْبًا (30) وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ "انسان ہلاک ہو جائے، یہ کیسا ناشکرا ہے۔ (اللہ نے اسے) کس چیز سے بنایا، نطفہ سے اسے بنایا۔ پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی، سو اسے قبر میں پہنچا دیا۔ پھر وہ جب چاہے گا، اسے اُٹھا کھڑا کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اسے جو حکم دیا گیا، اس نے اس پر عمل نہ کیا تو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بے شک ہم نے فراوانی سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں اناج اُگایا، انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور میوے اور چارہ" (سورۃ عبس :31-17)۔

ایک منفرد انداز میں قرآنِ پاک، ایک مخصوص قافیہ بندی میں آگے بڑھتا ہے اور پھر انتہائی روانی سے ایک اور قافیہ اختیار کرلیتا ہے۔ توجیسا کہ درج ذیل آیتِ کریمہ میں ﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (8) فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (9) عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ "پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن مشکل کا دن ہو گا۔ کافروں پر آسان نہ ہو گا"(سورۃ المدثر:8-10)، قرآن ایک قافیہ بندی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے فوراًبعد کی آیت میں ایک نئی قافیہ بندی کرتے ہوئے پچھلے ترنم کو ترک کر دیتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (11) وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا (12) وَبَنِينَ شُهُودًا (13) وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا (14) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (15) كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (16) سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا﴾ "ہمیں اُن سے نمٹ لینے دو جسے ہم نے اکیلے ہی پیدا کیا اور میں نے اسے مالِ کثیر دیا اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے دیے اور ہر طرح کے مال میں وسعت دی، پھر بھی لالچ رکھتا ہے کہ میں مزید اور دوں، نہیں بلکہ وہ ہماری آیتوں (نشانیوں) کو جُھٹلاتا رہا ہے، جلد ہی ہم اُسے صعود پر چڑھائیں گے "(سورۃ المدثر:11-17)۔ پھر قرآن فوراً ہی اس کے بعد والی آیت میں اور طرز میں بدل جاتا ہے: ﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (18) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (19) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (20) ثُمَّ نَظَرَ (21) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (22) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ "یقیناً اس نے غور و فکر کیا اور ایک بات ٹھہرالی تو پھر وہ مارا جائے کہ اس نے کیسی بات ٹھہرالی۔ پھر اُس نے تامل کیا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بِگاڑا۔ پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور تکبّر کیا"(سورۃ المدثر:18-23)۔

درحقیقت، قرآنِ پاک نے ہر زمانے کے عربی زبان کے ماہرین کو حیرت زدہ کیا۔ یہ انسانوں کی لسانی ساخت سے مشابہت تو رکھتا ہے مگر یہ انہی اقسام میں ایسا بے مثل ہے کہ یہ اُن تمام لوگوں کو مایوس کر دیتا ہے جنھوں نے اس جیسا بنانے کی کوشش کی، بلکہ قابل ترین لوگوں نے تو کوشش کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔

## قرآنِ پاک میں عبارت اور ادبی ساخت کا امتزاج

بے شک قرآن کے اسلوب میں وہ وضاحت، قوت اور جمال ہے جس کا مقابلہ انسان نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اس کی عبارت گوئی ایسی ہے جس کا اختصار، طُول اور نظم پوری انسانیت کے لئے بے مثل ہے۔ قرآنِ کریم ادبی ساخت میں معانی، مفہوم اور تکرار کو ایک ساتھ انتہائی حیرت انگیز امتزاج سے جمع کرتا ہے۔

جہاں لطیف معانی مطلوب ہوں، تو قرآن میں نرم لہجے والے جملوں میں باریک آواز والے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (31) حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا (32) وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا (33) وَكَأْسًا دِهَاقًا﴾ "بے شک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے، باغات اور انگور۔ اور ہم عمر اور جوان عورتیں، اور شراب کے چھلکتے ہوئے جام" (سورۃ النبأ:34-31)۔

جہاں معانی میں جَزْل مطلوب ہو تو قرآنِ پاک میں زبردست اور بھاری بھرکم (فَخْم) الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ہے: ﴿إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (21) لِلطَّاغِينَ مَآبًا (22) لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا (23) لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (24) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (25) جَزَاءً وِفَاقًا﴾ "بے شک جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کے لئے ٹھکانہ ہے۔ (وہ) اس میں مُدتوں پڑے رہیں گے، نہ ہی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ ہی کچھ پینا نصیب ہو گا مگر کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ۔ یہ (اُن کے اعمال کا) پُورا پُورا بدلہ ہے" (سورۃ النبأ:26-21)۔

معانی، ایسے اظہارِ بیان کے ساتھ وارد ہوئے ہیں جو مفہوم کی اثر انگیزی کو بڑھاوا دے دیتے ہیں، ایک ایسے ادبی انداز کے ذریعے کہ جس کا ترنم دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک اپنے سننے والے میں اتنے طاقتور جذبات بھڑکاتا ہے ۔ جو عربی معانی کی سمجھ رکھتے ہیں، قرآن اپنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ معنی کی سمجھ میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ انسان کو ایسے حیران اور مغلوب کر دیتا ہے کہ عربوں کے اولین دور کے کچھ ماہرینِ لسانیات اپنے کفر پر اٹل ہونے کے باوجود اس کی برتری اور عظمت کا انکار نہ کر سکے۔

**الفاظ اور جملوں میں حروف اور ان کی آوازوں کا ٹھیک ٹھیک دھیان رکھنا**

حُرُوف تہجی کو اکٹھا مرتب کرتے وقت قرآنِ پاک میں ان حروف سے پیدا ہونے والی آوازوں کا بے عیب دھیان رکھا گیا ہے
۔

مخارج، حروفِ تہجی کے ادائیگی کے لئے نکلنے والی آواز کا مقام یا جگہ ہیں۔ ان کا تعین منہ، ناک یا حلق کی حرکت کے مطابق کیا جاتا ہے کہ جہاں سے حرف کی آواز نکلتی ہے۔ مخارج، اعضائے تلاوت کی درست جگہ بیان کرتے ہیں تا کہ ایک حرف دوسروں سے ممتاز ہو۔ قرآن مجید کی تجوید کے لئے مخارج کا درست استعمال بہت ضروری ہے۔

قرآن پاک میں ایک لفظ یا جملے میں وہ حروف ایک دوسرے کے قریب رکھے گئے ہیں جو تلفظ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لہٰذا اس آیتِ مبارکہ میں، ﴿ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ﴾ "یا جیسے آسمان سے مینہ برس رہا ہو"(سورۃ البقرۃ:19)، قرآن نے یہ نہیں کہا، کالباعِق المُتَدَفِّق "جیسے لگاتار بارش" بلکہ یہ کہا ہے، " **كَصَيِّبٍ**، **"زور کی بارش"** ۔ قرآنِ پاک میں ہے کہ، ﴿ **عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ** ﴾ "اُن (کے بدن) پر باریک ریشم کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے" (سورۃ الانسان: 21)۔ یہاں پر **سُندُسٍ خُضْرٌ** استعمال ہوا ہے، بجائے اس کے کہ الهُعْخع استعمال ہوتا، جو معنی میں تو اس کے مساوی ہے لیکن تلفظ میں اس کے قریب نہیں ہے۔

جہاں حروف کے تلفظ کے مقامات کے درمیان فاصلہ ہو تو اس کے درمیان حروف لائے گئے ہیں جو تغیر میں سلیقہ کی عدم موجودگی کو ختم کرتا ہے۔ جہاں حروف کے درمیان تلفظ کی وجہ سے دوری ضروری ہو، تو یہ اس کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے موزوں ترین حروف کے استعمال سے کیا گیا ہے اور قرآنِ پاک میں ایسا انتہائی باریکی سے ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿ **تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ** ﴾ "یہ تو پھر بڑی بے انصافی کی تقسیم ہوئی" (سورۃ النجم : 22)۔ قرآن میں لفظ، **ضِيزَىٰ**، استعمال ہوا ہے نہ کہ اس کے مترادف الفاظ، ظَالِمَة اور جائِرٌ ۔

تلفظ کی باریکی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید عبارت میں ایک مخصوص حرف کو خوشگوار اور سننے میں ہلکا بناتا ہے جو جب دُہرائے جاتے ہیں تو لگتا ہے جیسے شاعری پڑھتے ہوئے ردیف ہم آہنگ ہوں۔ جو حروف ردیف کے سے اثرات پیدا کریں، آیات میں واضح طور پر کثرت سے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت الکرسی: ﴿ **اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ** ﴾ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ زندہ ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند، جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے سب اُسی کا ہے، کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کرسکے، وہ سب حالات جانتا ہے جو موجودہ ہیں اور جو کچھ گزر چکے ہیں، اور وہ اسکے علم میں سے کسی شے پر دسترس حاصل نہیں کرسکتے مگر جس قدر وہ چاہے، اُسی کی بادشاہی (کرسی) نے آسمانوں اور زمین کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور اُس پر ان کی حفاظت کچھ دُشوار نہیں، اور وہ عالیشان اور عظیم الشان ہے" (سورۃ البقرۃ:255)۔

آیت الکرسی میں حرف، "ل"، 23 مرتبہ ایسے خوشگوار اور ہم آہنگ انداز سے دُہرایا گیا ہے جو سُننے والے کو بار بار سننے پر مجبور کرتا ہے۔

## آج کے دور کا چیلنج

بے شک، قرآن مجید نوعِ انسانی کے لئے ایک منفرد اور لاثانی کلام ہے۔ یہ معجزہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے چیلنج کے طور پر نازل ہوا ہے۔

قرآن کی ترکیب 23 سال تک عربوں کے لئے زبردست حیرانی کا باعث رہی۔ چیلنج کو پورا کرنے سے عاجز ہونے پر اُنہوں نے بہتان، دھمکی، جنگ اور جلاوطنی کا سہارا لیا۔ امام باقلانی بیان کرتے ہیں: وقال غير هؤلاء وهؤلاء: لو نشاء لقلنا مثل هذا. ولكنهم لم يقولوا هم ولا غيرهم لان تأليف القرآن البديع، ووصفهالغريب، ونظمه العجيب، قد أخذ عليهم منافذ البيان كلها وقطع أطماعهم في معارضته، فظلوا مقموعين مدحورين ثلاثة وعشرين عاما، يتجرعون مرارة الاخفاق، ويهطعون لقوارع التبكيت، وينغضون رؤوسهم تحت مقارع التحدي والتعيير، مع أنفتهم وعزتهم، واستكمال عدتهم وكثرة خطبائهم وشعرائهم، وشيوع البلاغة فيهم، والتهاب قلوبهم بنار عداوته، وترادف الحوافز إلى مناهضته، وعرفانهم أن معارضته بسورة واحدة أو آيات يسيرة أنقض لقوله، وأفعل في إطفاء أمره، وأنجع في تحطيم دعوته، وتفريق الناس عنه - من مناجزته، ونصبهم الحرب له، وإخطارهم بأرواحهم وأموالهم، وخروجهم عن أوطانهم وديارهم، " جبکہ کچھ دوسروں نے کہا کہ کاش ہم اس سے ملتا جلتا کچھ تو بیان کر سکیں، تاہم قرآن کی شاندار ہیئت، اس کی غیر معمولی خصوصیت اور اس کی حیران کن ترتیب کی وجہ سے، نہ ہی وہ کچھ کہہ سکے اور نہ ہی ان کے علاوہ اور لوگ۔ اس (قرآن) نے ہر طرح کے اظہار میں اُن کو زیر کر دیا اور اس کی مخالفت کے ان کے عزائم کو دبا دیا۔ وہ تیئس سال تک شکست خوردہ رہے، ناکامی میں ڈوبے رہے، قرآن کے چیلنج کے سامنے ان کے سر جھکے رہے۔ ان کے اعلیٰ خاندان اور تکبر، تعداد میں بھی کم نہ ہونا، ان کے مبلغین اور شاعروں کی کثرت، اُن میں چار سو پھیلی ہوئی فصاحت و بلاغت، ان کے دلوں میں بھڑکتی دشمنی کی آگ اور آپ ﷺ کی مخالفت کے مقاصد کے جمع ہونے کے باوجود یہی معاملہ رہا۔ یہ سب ان کے علم میں تھا کہ کسی ایک سورت یا چند آیات سے آپ ﷺ کی مخالفت کرنا آپ ﷺ کے کہے کی تردید کر دے گا۔ اس طرح کی مخالفت آپ ﷺ کے معاملہ کو ختم کرنے، آپ کی دعوت کو تباہ کرنے اور لوگوں کو آپ ﷺ سے علیحٰدہ کرنے میں اس

سے زیادہ کارگر ہوتا کہ مسلمانوں کے سامنے ڈٹا جائے، ان سے جنگ کی جائے، جان و مال کی دھمکیاں دی جائیں، گھروں سے بے دخل یا جلاوطن کر دیا جائے"۔

مزید برآں، قرآنِ مجید کا چیلنج صرف اُنہی لوگوں تک ہی مخصوص نہیں ہے جن سے قرآن نے براہِ راست، محمد ﷺ کے دور میں، نزول کے وقت خطاب کیا تھا۔ یہ ایک دائمی چیلنج ہے جو قیامت تک کے لئے رکھا گیا ہے۔ یہ اس اصول کے سبب ہے: الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ "اعتبار، متن کے عمومی ہونے کا ہے، سبب کے خاص ہونے کا نہیں"۔ قرآنِ کریم نے پہلے دور میں عرب اشرافیہ کو ان کی عداوت کے باوجود الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ آج یہ دشمن مغربی حکومتوں کو پریشان کر رہا ہے۔ بالکل زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی طرح، مغربی حکومتیں بھی، حق کو ثابت کرنے والے اس کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں ناکامی پر اس کے پیغام کو دبانے کے لئے بہتان، دھمکیوں اور جنگ کا سہارا لے رہی ہیں۔

فہرست

# ”دین ایک طرزِ حیات کا نام ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کو منظم کرتا ہے“

(عربی سے ترجمہ)

اگر ہم لفظ ”دین“ اور اس سے اخذ شدہ مختلف الفاظ کے لفظی معانی کا جائزہ لیں [1] تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس کے معانی تین حوالے سے ہیں جو کہ ملتے جلتے ہیں۔ ان تین معانی میں معمولی سا فرق ہے جو اصل میں اس حقیقت سے پیدا ہوتا ہے کہ جس لفظ کی وضاحت کی جارہی ہے وہ صرف ایک لفظ نہیں ہے بلکہ تین الفاظ ہیں، یا زیادہ واضح طور پر یہ کہ اس میں تین متبادل فعل شامل ہیں:

اس کو مزید وضاحت سے ایسے بیان کیا جا سکتا ہے: لفظ 'دین' کبھی کسی حرف جار کے بغیر فعل سے ماخوذ ہوتا ہے (دانه يدينه)، اور کبھی فعل سے حرف جر "ل" کے ساتھ جو ”کے لئے" کا مفہوم دیتا ہے (دان له)، اور کبھی فعل سے حرف جر "ب" کے ساتھ جو "کے ساتھ" کا مفہوم دیتا ہے (دان به)۔ اور انہی ماخذ کے مطابق، تفہیمی صورت میں تبدیلی آتی ہے:

1- جب ہم کہتے ہیں، (دانه ديّنا)، تو اس کا مطلب ہے: اس نے اس پر حکمرانی کی، اس پر حکومت کی، اس کا انتظام کیا، اور اس کا احتساب کیا۔ اس استعمال میں، دین کا مفہوم ملکیت، دسترس، اور اتھارٹی کے گرد گھومتا ہے، جیسا کہ حکمرانی، حکومت، انتظام، اور احتساب سے متعلق ہے۔ مثال کے طور پر، ﴿مَـٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ﴾ ”یوم جزا کے دن کا مالک“ سے مراد وہ دن ہے جب سزا و جزا کا حساب ہو گا۔ اسی طرح، حدیث میں، «الكيس من دان نفسه» کا مطلب ہے ”دانا وہ (شخص) ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرتا ہے“، یہ خود پر حکمرانی اور اپنے آپ کو روکے رکھنے کے مفہوم میں آتا ہے۔

2- جب ہم حرف جر 'ل' کے ساتھ کہتے ہیں (دان له)، تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اس کی اطاعت کی اور اس کے سامنے تسلیم ہوا۔ یہاں، دین اطاعت، تسلیم اور عبادت کو ظاہر کرتا ہے۔ عبارت ”(الدين لله)“ کو اس طرح سے تشریح کیا جا سکتا ہے: یا تو ”حکمرانی اللہ کی ہے“ یا ”اطاعت اللہ ہی کے لئے ہے“۔

3- جب ہم کہتے ہیں، (دان بالشيء)، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے اسے دین یا عقیدہ کے طور پر اختیار کیا، یعنی وہ اس پر ایمان لایا، اس کے ساتھ استوار ہو گیا، یا اس پر قائم رہنے لگا۔ اس سیاق میں، 'دین' سے مراد وہ عقیدہ یا زندگی کا طریقہ ہے جسے کوئی شخص اختیار کرتا ہے، چاہے وہ نظریاتی طور پر ہو یا عملی طور پر۔

**لغوی معانی کا خلاصہ:**

عربی زبان میں، لفظ "دین" دو فریقوں کے درمیان تعلق کو ظاہر کرتا ہے، جن میں سے ایک فریق عزت و تعظیم اور اختیار کا مقام رکھتا ہے، جبکہ دوسرا فریق اس اختیار کے سامنے تسلیم خم ہوتا ہے اور اس کی تعظیم بجالاتا ہے۔ اگر یہ اصطلاح پہلے فریق کو بیان کرے، تو اس کا مطلب حکم، ممانعت، اختیار، فیصلہ، اور نفاذ ہوتا ہے۔ اگر یہ اصطلاح دوسرے فریق کو بیان کرے، تو اس کا مطلب تسلیم کر لینا اور اطاعت کرنا ہے۔ اگر اس اصطلاح کو دونوں فریقوں کے درمیان تعلق کے طور پر دیکھا جائے، تو یہ اس تعلق کو منظم کرنے والا نظام یا اس کا اظہار کرنے والا مظہر بن جاتا ہے۔ بہر حال اس کے بنیادی معنی اطاعت کرنے کے تقاضے کے تصور کو ہی سموئے ہوئے ہیں: اصطلاح کے اول استعمال میں، دین کا مطلب ہے اطاعت کا نافذ کرنا (إلزام الانقياد)۔ اور ثانوی استعمال میں یہ معنی (التزام النقياد) اطاعت کی طرف پابند ہونے کے مطلب میں ہیں۔ اور تیسرے استعمال میں یہ اس اصول سے مراد ہے جس کے تحت ایک شخص اطاعت کے لئے پابند ہوتا ہے (المبدأ الذي يلتزم الإنسان الانقياد له) [2]۔

نتیجتاً، یہ دو فریق ہیں: جن میں سے ایک انتہائی عظمت، اعلیٰ مقام، اور اختیار کا حامل ہے، اور دوسرا انتہائی عاجزی، اطاعت، اور پہلے فریق کی خدمت میں ہے۔ اور وہ تعلق یا نظام جو ان فریقین کے تعلق کو منظم کرتا ہے، اسے ہم "دین" کہتے ہیں [3]۔

ابو حیان اندلسی کی تفسیر البحر المحيط میں، انہوں نے اس آیت کی وضاحت کی ہے، ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ "بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہی ہے"۔ لغوی معانی کے مطابق، دین اسم فاعل کے طور پر

”دانا“ (یعنی تسلیم کرنا) سے ماخوذ ہے۔ اسم کے طور پر، یہ حکمرانی اور قانون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دین کا لفظ اس بات کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ اختیار اور حکومت سے متعلق ہے، جیسا کہ آیت ﴿**وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ**﴾ **”اور ان سے تب تک قتال کرو جب تک کہ فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین سارے کا سارا، صرف اللہ کا ہی ہو جائے“**۔ ابن علان صدیقی، دلائل الفالحین میں، الکشاف سے اس آیت کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں کہ ﴿أَءِنَّا لَمَدِينُونَ﴾ **”کیا ہمیں واقعی صلہ دیا جائے گا“ (مدینون) (الصٰفٰت:53)**۔ اس کا مطلب ہو سکتا ہے "حکومت کے تابع ہونا" یا "حکومت کے زیر اثر ہونا"، اور اس میں "دین" کو سیاست (سیاسہ) اور حکمرانی سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث، "الكيس من دان نفسه" "عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ پر حکمرانی کرے"، یہ حدیث دین کے فہم کو جواب دہی، حکمرانی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ شرعی احکامات کی اطاعت سے منسلک کرتی ہے [4]۔ یوں اس طرح، عربوں نے محمد ﷺ کے دین کو ایک جامع نظامِ زندگی کے طور پر سمجھا جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے خود کو سرِ تسلیم خم کرنا، اُس کے احکامات کی پابندی کرنا اور فرائض کی ادائیگی کے لئے جواب دہ ہونا شامل تھا۔ دین نے قبل از اسلام کے قوانین کو آفاقی حکمرانی سے بدل دیا، جو فطری طور پر ایک ایسے نظام کو تشکیل دیتا ہے جو فرد کے رویے کو منظم کرتا ہے اور سماجی زندگی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ تکلیف (جواب دہی کی بنیاد ہی شرعی ذمہ داری ہے) اور اس کے بنیادی ارکان اسلامی احکامات کے نظام کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں۔ یہ ارکان دین کی جامعیت اور تکمیل، شریعت کی وسعت، تنبیہ کو وحی کے ساتھ مخصوص کرنا، سنت کی حفاظت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع کی قطعیت کی تصدیق کو یقینی بناتے ہیں۔

اسلامی قانون سازی ”شرعی احکام“ کے فہم پر مبنی ہے، جو تکلیف (شرعی فرائض پر جواب دہ ہونا) کے تصور پر انحصار کرتی ہے۔ شریعت کے مطابق انسان جوابدہ ہوتا ہے، اور اسے اپنے تمام معاملات میں تکلیف کی پابندی کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

(والتكليف مأخوذ من الكلفة على وجه التفعيل، ومعناه الحمل على ما في فعله مشقة، ويندرج تحته الإيجاب والحظر، لا وفق ما يتشوَّف إليه الطبع وما ينبو عنه )، اور ”تکلیف کو لفظی طور پر جوابدہی کے مفہوم سے لیا گیا ہے، اور اس کا مطلب ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جو کہ مشقت طلب ہو۔ تکلیف میں واجب (فرض) اور حرام (ممنوع) شامل ہیں، نہ کہ نفسانی خواہشات یا وہ جنہیں طبع منع کرتی ہو“ [5]۔

یہ سوال کرنے سے قبل، کہ جواب دہی کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم، ہم **التکلیف** (جوابدہی) **کی حقیقت** اور اس کے افراد، معاشرے اور ریاستوں کے طرزِ حیات کو منظم کرنے میں اس کے کردار کو وضاحت سے بیان کریں گے۔ یہ بحث چار اہم نکات پر مرکوز ہو گی:

- **اول، تکلیف کی شرعی حقیقت (تشریع)**
- **دوئم، شرع کی حفاظت**
- **سوئم، شرع کی جامعیت اور استحکام**، اور اس کے اندر یہ قابلیت ہونا کہ وہ قیامت تک آنے والی تمام نوعِ انسانی کے ہر مسئلے کا حل کر سکتی ہے۔
- **چہارم، شرع کے مصادر سے حکم لینے کا طریقہ کار**، یعنی حقیقت اور شرعی احکام کے درمیان تعلق کی یقین دہانی کر لینا تاکہ طرزِ عمل کو منظم کیا جائے یا معاشرتی مسائل کو حل کیا جاسکے۔

اس کی تفصیل ذیل میں ہے:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وجودِ عالم کے نظام کو عدل پر قائم کیا ہے اور ظلم سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابوذر جندب ابن جندہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا، **«یا عبادی إني حرمت الظلم على نفسي ـ وجعلته بينكم محرَّماً فلا تظالموا»** **"اے میرے بندو، میں نے اپنے اوپر بھی ظلم کو حرام ٹھہرایا اور تم پر بھی، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو"**۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنی ذات پر بھی ظلم کو حرام کر دیا اور اپنے بندوں کو بھی ظلم کرنے سے منع کیا، **اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اور اس کا نظام ہی ہیں جو اس بات کی یقین دہانی کرتے ہیں کہ کوئی بھی ناانصافی آسمانوں (بہشت) اور زمین کے دائرۂ عمل میں داخل نہ ہونے پائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نوعِ انسان کو اپنا خلیفہ بنایا تاکہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو انصاف کو مقدم رکھے اور ظلم کو روکتا ہو،** جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ**﴾ **"بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں"** (الحدید: 25)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت پر اصلاح کی ذمہ داری عائد کی اور یہ کہ فساد نہ پھیلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حقوق کی تنظیم کرنے،

انصاف قائم کرنے، ظلم کی روک تھام، اصلاح کی جانب رہنمائی کرنے والے طرزِ عمل کے ضابطے، باہمی تنازعات کے حل کا حکم دیا، اور انسانیت کی بھلائی کے لئے درست نظام کی تلاش میں نفسانی خواہشات کے تابع ہو جانے کے لئے بھٹکتا نہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بجائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان معاملات کو منظم کرنے اور ضابطہ بندی کے لیے ایک الہامی رہنمائی فراہم کی ہے، اور مخلوق کے لئے دلائل و ثبوت مقرر کیئے، اور انہیں شرعی طور پر مکلف اور جوابدہ ٹھہرایا۔

جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلۡأَرۡضِ خَلِيفَةٗۖ﴾ "میں زمین پر اپنا ایک نائب مقرر کرنے لگا ہوں"، تو فرشتوں نے نوعِ انسان کو زمین میں نائب مقرر کرنے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فیصلے پر عرض کیا اور پوچھا، ﴿قَالُوٓاْ أَتَجۡعَلُ فِيهَا مَن يُفۡسِدُ فِيهَا وَيَسۡفِكُ ٱلدِّمَآءَ﴾ "کیا آپ اس کو نائب مقرر کریں گے جو اس (زمین) میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا؟"، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جواب دیا، ﴿قَالَ إِنِّيٓ أَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ﴾ "بے شک، میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ جواب یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی طرف سے نوعِ انسانی کو نائب مقرر کرنا فساد یا خون بہانے کے لئے ہرگز نہیں تھا۔ لہٰذا، وہ لوگ جو ان نظاموں کی پیروی کرتے ہیں جو شر وفساد اور خون خرابے کی طرف لے کر جاتا ہے تو وہ لوگ اس نائب کے عہدے سے بَری ہیں۔ انسانی خواہشات اور قوانین کی بنیاد پر استوار کردہ نظام اکثر ناانصافی اور ابتری کی طرف لے کر جاتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَلَوِ ٱتَّبَعَ ٱلۡحَقُّ أَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ وَمَن فِيهِنَّۚ﴾ "اور اگر حق ان کی خواہشوں کی اتباع کرنے لگے تو آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ بھی ان میں ہے، اس میں فساد پھیل جائے" (سورۃ المؤمنون؛ 23:71)۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ﴿ثُمَّ جَعَلۡنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡرِ فَٱتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعۡلَمُونَ﴾ "پھر ہم نے تم کو دین کے معاملے میں ایک کھلے راستے پر قائم کر دیا تو تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے" (الجاثیہ؛ 45:18)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ شریعت کے علاوہ کسی اور کی پیروی کرنے کا مطلب خود کو انسانی خواہشات کے تابع کرنا ہے، جس کا نتیجہ لامحالہ طور پر شر وفساد، ناانصافی اور ظلم کی صورت میں نکلتا ہے۔

پس اسی لئے خلافت کا نظام ہی وہ نظام ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو قائم کرتا ہے، عدل کی بالادستی کو مقدم رکھتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کا نفاذ کرتا ہے۔ یہ نظام، مؤمنین پر نافذ ہوتا ہے جو اپنی زندگیوں کے تمام پہلوؤں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ رہنمائی کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک ایسے قائد کو اطاعت کی بیعت دیتے ہیں جو معاشرے کے تمام تعلقات میں ان آفاقی اصولوں کو نافذ کرتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں، (هذه الآية أصلٌ في نَصْب إمامٍ وخليفة يُسْمَع له ويطاع؛ لتجتمع به الكلمة، وتنفذ به أحكام الخليفة. ولا خلاف في وجوب ذلك بين الأمة ولا بين الأئمة إلا ما رُوي عن الأصَمّ؛ حيث كان عن الشريعة أصَمَّ) "یہ آیت ایک ایسے واحد امام اور خلیفہ کو مقرر کرنے کی بنیاد ہے، جس کی اطاعت کی جائے تا کہ وہ اس کلمہ کو امت کو متحد کرے اور ریاستِ خلافت کے احکامات قائم کرے۔ (خلافت کی واجبیت کے لئے) امت میں اور آئمہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جو الاصم سے روایت کردہ ہے، جو کہ خود شریعت سے بے بہرہ تھا"۔ اسلام میں اتھارٹی امت کے پاس ہوتی ہے جو اپنے لئے ایک حکمران مقرر کرتی ہے تا کہ وہ ان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکومت کرے۔ اور یہ فہم اسلامی حکمرانی کے اصولوں سے ہی اخذ کردہ ہے، جہاں ایک حقیقی خلیفہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کی زندگیوں میں اور معاشرے میں اللہ کے احکامات کو نافذ کرے[6]۔ اجتماعی طور پر اس نظام کا نفاذ کئے بغیر، عدل وانصاف اور اللہ کے احکامات کی پابندی ممکن نہیں ہو سکتی۔ ریاستِ خلافت ہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے یہ اصول منطبق ہوتے ہیں، جو کہ خلافت کے قیام کا بنیادی مقصد ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، ﴿ثُمَّ جَعَلْنَٰكُمْ خَلَٰٓئِفَ فِي ٱلْأَرْضِ مِنۢ بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ "ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو" (یونس؛10:14)[7]۔ اس تفویض کردہ نائب کے لئے لازم ہے کہ تمام معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کا نفاذ کرے، خصوصاً حکمرانی کے حوالے سے، اور حق اور باطل کے مابین تفریق کرے، وہ باطل کہ جس نے فساد اور خون بہا برپا کیا ہے۔ اللہ کے اس نظام کو غالب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معاشرے میں ایک ریاست کے ذریعے نافذ ہو نہ کہ معاشرے میں موجود محض چند افراد کے ذریعے جن پر مخالف نظام حاوی ہو۔ لہٰذا خلافت کا وقار ہی اس میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نظام نافذ ہو، اور وہ سب ذلیل وخوار ہوں جو شر وفساد اور خون خرابہ پھیلاتے ہیں۔

اسی لئے، وحی کا ہونا نہایت ضروری ہے، جو کہ ایک معجزہ (پیغام) ہے اور حکم ہے۔ وحی کے پیغام کو اس بات کے تعین کے لئے حتمی حوالہ کے طور پر لینا لازم ہے کہ غیبی معاملات کے بارے میں کیا یقین کیا جانا چاہئے جو حسی ادراک یا ان کے اثرات سے باہر ہوں۔ وحی کے پیغام کے لئے لازم ہے کہ ایک نظام قائم ہو جس کے ذریعے نظام ہائے حیات منظم ہوں، اور انسانیت کے لئے ممکن ہو سکے کہ وہ زمین پر باقاعدہ طریقے سے نائب کے طور پر اپنے کردار کو ادا کرے۔ یہ رہنمائی ایک ایسے فلسفہ کی موجودگی مہیا کرتی ہے جو اطمینان کا باعث ہو اور لوگوں کو ایک واضح راہ اختیار کرتے ہوئے پُرامن زندگی فراہم

کرے۔ شریعت عدل کی بنیاد پر ظلم کا ہاتھ روکتے ہوئے، توازن، درستگی اور نظم کو قائم کرتے ہوئے کائنات کے نظم و نسق کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ شریعت کی بنیاد روشنی، حق اور رہنمائی پر مبنی ہے، جو باطل سے، خطا سے اور تاریکی سے دور لے جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قانون سازی کا حق صرف اپنے لئے مخصوص رکھا ہے [8]، جسے "حاکمیتِ اعلیٰ" کہا جاتا ہے [9]۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے (شریعت کو) کتاب اور سنت کی صورت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا اور کسی بھی اور کو اس منصب کے لئے روک دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۚ﴾ "بے شک حکم صرف اللہ ہی کا ہے" (یوسف: 12:40)۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مزید فرمایا، ﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ "اور جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے" (الشوریٰ: 42:10)۔ لغوی طور پر لفظ "حکم" کا معنی روکنے کا ہے، اور قانونی فیصلہ کو "حکم" اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کسی بھی امر کو اس مقررہ فیصلہ سے باہر جانے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے، صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی شریعت کے مطابق عمل کرنے کے سوا کسی بھی اور عمل سے روکیں، کیونکہ شرعی قانون سازی اللہ کی عبادت و بندگی کو منظم کرتی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کو اپنے الفاظ میں فصاحت سے بیان کرنے کے لئے الہامی رہنمائی دی، تاکہ شرعی احکام کے معانی کی وضاحت ہو سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی تاکہ تم لوگوں کے لئے اس کی وضاحت کر سکو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے، اور تاکہ وہ غور و فکر کریں“ (النحل: 16:44)۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ حق عطا کیا گیا کہ وہ ان معانی کو جو وحی کے ذریعے ان پر نازل ہوئے ہیں، ان کو شرعی حکم میں ڈھالیں۔ اسی لئے، سنتِ مبارکہ میں جو کچھ بھی احکام بیان کئے گئے ہیں، وہ قرآن کے شرعی احکام کے عین مساوی ہیں، کیونکہ یہ دونوں ہی وحی سے اخذ ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کے اقوال وحی کے ذریعے ہدایت یافتہ ہیں اور اللہ کے ارادے کو بالکل درست طریقے سے بیان کرنے میں انتہائی دقیق ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی بھی غلطی سے محفوظ رکھا، تاکہ سنت کے الفاظ وحی کی حفاظت میں مرتب ہوں اور وہ معانی جو آپ پر نازل ہوئے تھے، ان کی صحیح ترجمانی ہو سکے۔

عقل قانون سازی کا ماخذ نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَـٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمۡ يَأۡذَنۢ بِهِ﴾ ”کیا ان کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت

نہیں دی؟"(الشوریٰ؛42:21)۔ اور مزید فرمایا، ﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ "اور جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے"(الشوریٰ؛42:10)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام زمین پر عدل کو قائم کرنے اور انصاف کے ترازو کو قائم کرنے کے ضامن ہیں۔ اگر کسی معاملے میں الہامی حکم نہ ہو، تو یہ ظلم یا فیصلے میں غلطی کے دروازے کو کھول دے گا، جو اس معاملے میں انسان کے بنائے ہوئے قوانین سے جڑا ہو گا۔ لہذا، یہ نہایت ضروری ہے کہ شریعت، یعنی قرآن اور سنت، کو محفوظ رکھا جائے تاکہ قیامت کے دن تک مخلوق کے درمیان عدل و انصاف کے قیام کی نعمت کو مکمل کیا جا سکے۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ سنتِ مبارکہ قرآن کے عمومی معانی کی وضاحت کرتی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، (فالسُّنَّةُ مُبَيِّنَةٌ وَمُوَضِّحَةٌ وَشَارِحَةٌ للقرآن وملحقةٌ الفروعَ بأصولِها ومشرعةٌ أحكامًا جديدة ليس لها في القرآن أصول) "لہذا، سنت قرآن کی وضاحت کرنے والی، تشریح کرنے والی اور تفصیل سے بیان کرنے والی ہے۔ اس کے علاوہ، سنت فروعی احکام کو ان کے اصولوں سے جوڑتی ہے اور نئے احکام متعارف کراتی ہے جو قرآن میں صراحتاً ذکر نہیں ہیں"[11]۔ لہذا، سنت کے کسی بھی حصہ کے ضائع ہو جانے کا مطلب شریعت کے اہم پہلوؤں کا ضیاع ہو گا[12]۔

ربِ کائنات، اللہ ذوالجلال نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف شریعت کی ہی پیروی کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ "اے لوگو! تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے پیچھے نہ جاؤ، تم بہت ہی کم سمجھتے ہو"(الاعراف؛7:3)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مزید ارشاد فرماتے ہیں، ﴿قُلۡ إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِٱلۡوَحۡيِۚ وَلَا يَسۡمَعُ ٱلصُّمُّ ٱلدُّعَآءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ﴾ "(اے نبی) کہہ دو! میں تم کو صرف وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں اور بہرے پکار نہیں سنتے جب ان کو ڈرایا جائے"(الانبیاء؛21:45)۔ مزید ارشاد ہے، ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ﴾ "اور رسول ﷺ جو کچھ بھی تم کو عطا کر دیں اسے لے لو، اور وہ جس سے منع کر دیں، تو اس سے رُک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ شدید پکڑ کرنے والا ہے"(الحشر؛59:7)۔ یہ حکمِ الٰہی متعدد آیات میں دہرایا گیا ہے جس میں یہ بھی شامل ہے، ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَـٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ﴾ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور

اپنے میں سے اولی الامر کی بھی۔ اور اگر کسی بات تم میں اختلاف ہو جائے تو اگر اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو"(النساء؛4:59)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مزید تاکید کرتے ہیں، ﴿إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۖ﴾ "بے شک حکم صرف اللہ ہی کا ہے"(الانعام:57، یوسف:40، یوسف:67)اور مزید فرمایا، ﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ "اور جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے"(الشوریٰ؛ 42:10)۔ یہ آیات بارہا تصدیق کرتی ہیں کہ شریعت کے وحی کردہ احکام ہی حکمرانی کے لئے واحد ذریعہ ہیں، عدل کے ضامن ہیں اور کسی بھی بے ضابطگی کو روکتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ "اور اگر کسی بات تم میں اختلاف ہو جائے تو اگر اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو"(النساء؛4:59)، اور مزید فرمایا، ﴿وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ تِبۡيَٰنٗا لِّكُلِّ شَيۡءٖ﴾ "اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کیا، جو ہر شے کا مفصل بیان ہے"(النحل؛16:89)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا، كل أمرٍ ليس عليه أمرُنا فهو رَدّ "ہر وہ امر جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو، پس وہ رَد ہے"۔ یہ نصوص ظاہر کرتے ہیں کہ بنیاد ہی شریعت کی پابندی کرنے میں اور شریعت سے جُڑے رہنے میں ہے۔ انسان اپنے کئے کا ذمہ دار (مکلف) ہے اور شرعی تکلیف میں فرد کو وہی کام کرنے پر مجبور کرنا شامل ہے جو شریعت نے لازم کیا ہے، یعنی جوابدہ ہونے کی بنیاد پر (فرض) ادا کرنا، (منع کئے گئے سے) رکنا، یا کسی عمل کی اجازت ہونا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ، ﴿فَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطۡغَوۡاْۚ إِنَّهُۥ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ﴾ "پس تم اسی طرح قائم رہو جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور وہ بھی جس نے تمہارے ساتھ توبہ کی، اور سرکشی نہ کرو۔ بے شک جو تم کر رہے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے"(ھود؛11:112)۔ بیان ہے کہ، ولا حكم قبل ورود الشرع "شریعت کے ورود (آنے سے پہلے) کوئی حکم نہیں ہے"۔ الشوکانیؒ اپنی تصنیف ارشاد الفحول (صفحہ 6) میں بیان کرتے ہیں، ولا خلاف في كون الحاكم هو الشرع؛ وذلك بعد البعثة وبلوغ الدعوة "اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ بالادستی شریعت ہی کی ہے؛ اور یہ (رسول اللہ ﷺ کی) بعثت اور پیغام آنے کے بعد سے ہے"۔ امام غزالیؒ تصنیف المستصفى (صفحہ 40) میں بیان کرتے ہیں، والمحكوم فيه هو فعل المكلّف، ولا حكم قبل ورود الشرع. والعقل معرِّف للحكم وليس بحاكم) "جس پر حکم لاگو ہوتا ہے وہ مکلف کا عمل ہے۔ شریعت کے ورود (آنے) سے پہلے کوئی حکم نہیں ہے۔ عقل حکم کا ادراک تو کرتی ہے لیکن وہ حاکم نہیں ہے"۔ اسی

طرح امام نوویؒ نے بھی المجموع (شرح المهذب) میں بیان کیا ہے، وَكُتُبِ الْمَذْهَبِ أَنَّ أَصْلَ الْأَشْيَاءِ قَبْلَ وُرُودِ الشَّرْعِ عَلَى الْإِبَاحَةِ أَمْ التَّحْرِيمِ أَمْ لَا حُكْمَ قَبْلَ وُرُودِ الشَّرْعِ؟ وَفِيهِ ثَلَاثَةُ أَوْجُهٍ مَشْهُورَةٍ الصَّحِيحُ مِنْهَا عِنْدَ الْمُحَقِّقِينَ لَا حُكْمَ قَبْلَ وُرُودِ الشَّرْعِ، وَلَا يُحْكَمُ عَلَى الْإِنْسَانِ فِي شَيْءٍ يَفْعَلُهُ بِتَحْرِيمٍ وَلَا حَرَجٍ، وَلَا نُسَمِّيهِ مُبَاحًا لِأَنَّ الْحُكْمَ بِالتَّحْرِيمِ وَالْإِبَاحَةِ مِنْ أَحْكَامِ الشَّرْعِ، فَكَيْفَ يَدَّعِي ذَلِكَ قَبْلَ الشَّرْعِ. وَمَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ سَائِرِ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ الْأَحْكَامَ لَا تَثْبُتُ إِلَّا بِالشَّرْعِ، وَأَنَّ الْعَقْلَ لَا يُثْبِتُ شَيْئًا "اور مکاتب فکر کی کتابوں میں یہ ہے کہ اشیاء(چیزوں) کا اصل حکم شریعت کے وارد (آنے) سے قبل مباح ہے یا حرام ہے، یا شریعت کے آنے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہوتا؟ اس میں تین مشہور آراء ہیں جن میں سے صحیح قول محققین کے نزدیک یہ ہے کہ شریعت کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہوتا۔ اور انسان پر، جو عمل بھی وہ کرے، نہ تو حرام کا حکم لگایا جائے گا اور نہ ہی اس پر کوئی تنگی لگائی جائے گی اور نہ ہی اسے مباح کہا جائے گا، کیونکہ حرام اور مباح کا حکم شریعت کے احکام میں سے ہی اخذ کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا شریعت سے پہلے اس عمل کے بارے میں وہ یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ ہمارے مکتبۂ فکر اور تمام اہل سنت کا موٴقف یہ ہے کہ احکام صرف شریعت کے ذریعے سے ہی ثابت ہوتے ہیں، اور عقل کسی بھی چیز کو ثابت نہیں کر سکتی"۔ الشاطبیؒ اپنی تصنیف الموافقات (4/200) میں توثیق کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں، والأصل في الأعمال قبل ورود الشرائع سقوط التكليف؛ إذ لا حكم عليه قبل العلم بالحكم؛ إذ شرط التكليف عند الأصوليين العلم بالمكلف به؛ "اور اعمال کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے وارد (آنے) ہونے سے قبل تکلیف (ذمہ داری) ساقط ہوتی ہے؛ کیونکہ کسی حکم سے آگہی کے بغیر اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا؛ اور علمائے اصول کے مطابق شرعی ذمہ داری (تکلیف) کا تقاضا یہ ہے کہ ذمہ دار کو اپنی ذمہ داری کا علم ہو"۔

اللہ ربّ العزت نے قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس دنیا میں ہماری موجودگی اور زندگی و موت کا تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں آزمایا جائے کہ ہم میں سے کون بہترین اعمال کرتا ہے۔ اعمال کے اچھا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خلوصِ نیت کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں اور شریعت کی ہدایات کے مطابق ہوں۔ یہ فہم اسلاف کے اقوال میں بھی نظر آتا ہے، جیسے الفضیل بن عیاض کی اس آیت پر تفسیر میں ہے کہ، ﴿**لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا**﴾ "تاکہ وہ تمہیں آزما سکے کہ تم میں سے کون اعمال میں بہترین ہے" (سورۃ الملک:2)۔ تفسیر میں یہ بیان کیا گیا کہ، قال، أخلصه وأصوبه، فقيل، يا أبا علي، ما أخلصه وأصوبه؟ فقال: إن العمل

إذا كان صوابًا ولم يكن خالصًا لم يقبل، وإذا كان خالصًا ولم يكن صوابًا لم يقبل، حتى يكون خالصًا صوابًا، والخالص أن يكون لله، والصواب أن يكون على السنة "آپ نے فرمایا، "اس کا مطلب ہے کہ سب سے زیادہ خالص اور سب سے صحیح (عمل)"۔ جب اس کی وضاحت کے لئے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "اگر کوئی عمل درست ہو مگر نیت میں خلوص نہ ہو تو وہ قبول نہیں ہوتا، اور اگر عمل میں خلوص ہو مگر وہ عمل ہی صحیح نہ ہو تو وہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ (عمل کے لئے) اس کا خالص ہونا، یعنی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اور عمل کا درست ہونا یعنی کہ وہ سنت کے مطابق ہو، تو یہ دونوں شرائط لازمی ہیں"۔ آزمائش اور تکلیف تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب اعمال کے لیے رہنمائی موجود ہو، اور یہ اس بات کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے کہ شریعت کی حفاظت ضروری ہے، جو ہر تکلیف کے عمل کے لئے دلیل فراہم کرتی ہے۔[13]

تکلیف (ذمہ دار ہونا) شرعی احکام کا جزوِلازم ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حتیٰ کہ ذرہ برابر کئے ہوئے عمل کے بدلہ کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**فَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرٗا يَرَهُۥ ٧ وَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ شَرّٗا يَرَهُۥ ٨**﴾ "پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا" (الزلزال؛99:7،8)۔ اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کے خیر یا شر ہونے کا تعین بھی وحی کی رہنمائی کے ذریعے سے منظم ہونا چاہیئے۔ محض عقل سے کئے جانے والے فیصلے شریعت کے احکام نہیں ہوتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی کو شخصی آراء یا مروجہ خود ساختہ آراء کی خلاف ورزی پر ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ یہ آیات اس بات کی اہمیت پر زور دیتی ہیں کہ شرعی قوانین ہی احکامات اور ممانعت کے ساتھ ایک ذرہ برابر عمل کا بھی احاطہ کرتے ہوئے تمام انسانی مسائل کو جامع انداز میں حل کرتے ہیں۔ یہ آیات اس بات کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتی ہیں کہ شرعی دلائل کی حفاظت ضروری ہے، تاکہ مومن ان سے احکام اخذ کر سکیں اور اعمال کے خیر ہونے یا شر ہونے کا تعین کرتے ہوئے ان پر عمل کر سکیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت کو کسی ایک رَتی برابر معاملے میں بھی احکام اور ممانعت کے بغیر یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ جس پر انہیں حساب دینا ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**أَيَحۡسَبُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَن يُتۡرَكَ سُدًى**﴾ "کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟" (القيمة؛75:36)۔ اگر کسی ایک معاملے میں بھی رہنمائی نہ کی گئی ہوتی، تو انسانیت اس معاملے میں گمراہ ہو جاتی اور یوں اس معاملے میں تکلیف (ذمہ دار ہونا) ممکن نہ ہوتی۔ اگر وحی کی بنیاد پر خیر یا شر کا

تعین نہ کیا جاتا تو کوئی حکم درست نہ ہو پاتا، جو کہ واضح آیات کے خلاف ہوتا، جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ہر معاملے کا ایک حکم ہے، اور ہر عمل کو وحی کی رہنمائی کے مطابق پرکھا جائے گا۔ وحی نے بعض احکام کو ظنی (غیر قطعی) دلائل پر مبنی ہونے کی اجازت دی ہے، اور مستند طریقہ کار کی بنیاد پر فقہی فہم میں اختلافات دین کا ہی حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مجتہد نصوص سے یہ اخذ کر سکتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، جبکہ دوسرا مجتہد اس کے برعکس نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ دونوں ہی احکام شریعت پر مبنی ہیں، کیونکہ ہر مجتہد اپنے بہترین فہم کے مطابق شریعت کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ تفہیم پر امکانات کی اس راہ نے، جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قصد سے ہی ممکن ہے، اس نے نصوص کو متعدد مفاہیم کے مطابق ڈھالنے کے قابل بنا دیا ہے جس سے فقہ کی گہرائی کو مزید فروغ ملا ہے۔ پس مجتہد اپنے ذہن کو استعمال کرتے ہوئے نصوص اور ان کے معانی کو سمجھتا ہے اور ایک فہم تک پہنچتا ہے جسے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے، اور وہ اس پر عمل کرنے پر مکلف ٹھہرایا جائے گا جو اس نے اجتہاد کے ذریعے اخذ کیا ہو گا[14]۔ ہم پہلے ہی اس حکیم و خبیر شارع کی حکمت پر غور کر چکے ہیں کہ اس نے مجتہد کو نصوص کا مطالعہ کرنے اور ان کا فہم حاصل کرنے کے لئے عملی طریقہ کار پر عمل کرنے کی ہدایت دی ہے تاکہ نصوص کا فہم حاصل کرتے ہوئے نفسانی خواہشات اور میلانات کے اثرات کے باعث خلل کو روکا جائے۔ جب نفسانی خواہشات سے پاک ایک مجتہد درست لغوی اور فقہی اصولوں کے مطابق نصوص پر غور کرتا ہے، تو اس کا اخذ کردہ نتیجہ شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ نصوص کی یہ خصوصیت کہ وہ وسیع معانی کو جامع الفاظ میں سمو لیں، یہ خصوصیت ہی اس امر کو یقینی بناتی ہے کہ یہ نصوص قیامت تک انسانیت کی ضروریات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، «من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد» ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نیا کام ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں ہے، تو وہ مسترد ہے“ (صحیح مسلم)۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، وفي الرواية الثانية: «من عمل عملًا ليس عليه أمرنا فهو رد» قال أهل العربية: (الرد) هنا بمعنى المردود، ومعناه: فهو باطل غير معتدٍّ به، وهذا الحديث قاعدة عظيمة من قواعد الإسلام، وهو من جوامع كلمه صلى الله عليه وسلم، فإنه صريح في رد كل البدع والمخترعات، وفي الرواية الثانية زيادة وهي أنه قد يعاند بعض الفاعلين في بدعة سبق إليها، فإذا احتج عليه بالرواية الأولى يقول: أنا ما أحدثت شيئًا فيحتج عليه بالثانية التي فيها التصريح برد كل المحدثات، سواء أحدثها الفاعل، أو سبق بإحداثها... وهذا الحديث مما ينبغي حفظه واستعماله في إبطال المنكرات،

وإشاعة الاستدلال به "اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «من عمل عملًا ليس عليه أمرنا فهو رد» "جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین کے مطابق نہیں، تو وہ (عمل) مردود ہے"۔ اہل زبان کے مطابق، یہاں "مردود" کا مطلب "باطل اور ناقابل قبول" ہے۔ یہ حدیث اسلامی اصولوں میں سے ایک عظیم اصول ہے اور نبی کریم ﷺ کے جامع اقوال میں سے ہے۔ یہ حدیث دین میں ہر بدعت اور نئی اختراع کو واضح طور پر مسترد کر دیتی ہے۔ دوسری روایت ان لوگوں پر حجت قائم کرتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کسی بدعت کے موجد نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ دین میں ہر نئی چیز، چاہے اسے ایجاد کیا گیا ہو یا اس پر عمل کیا جارہا ہو، ناقابل قبول ہے۔ یہ حدیث غلط اعمال کے رد اور دین میں بے بنیاد چیزوں کو مسترد کرنے کے لیے بہت اہم ہے اور اسے بدعات کے خلاف دلیل کے طور پر کثرت سے استعمال کیا جانا چاہیے۔

لہٰذا، کوئی بھی ایسا حکم جو محض عقل پر مبنی ہو اور شریعت کے دلائل و اصولوں سے منقطع ہو، تو وہ حکم مسترد ہے کیونکہ یہ اسلام میں بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسے احکام وحی سے اخذ کردہ نہیں ہیں، اور ان کی بنیاد پر کئے جانے والے تمام اعمال بھی ناقابل قبول اور مردود ہیں۔ یہ ایک قطعی اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ممنوعات کی تنبیہ کئے بغیر اور واضح کئے بغیر سزا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِلَّ قَوۡمَۢا بَعۡدَ إِذۡ هَدَىٰهُمۡ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَۚ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد انہیں گمراہ کر دے جب تک کہ ان پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کن چیزوں سے بچنا ہے" (التوبہ؛ 9:115)۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبۡعَثَ رَسُولًا﴾ "اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج دیں" (بنی اسرائیل؛ 17:15)۔ یہ آیات اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہیں کہ تنبیہ اور رہنمائی کا بنیادی ذریعہ وحی ہے، اور اس کے احکام ان لوگوں پر لازم ہیں جنہیں وہ واضح طور پر پہنچ چکے ہیں۔ اسلام کے احکام کو مسترد کرنا یا ان کی جگہ دیگر قوانین نافذ کرنا دین کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے اور اللہ کی ہدایت کی جامعیت کو کمزور کرتا ہے۔

تنبیہ اور رہنمائی صرف وحی کے ساتھ خاص ہے، اور اس کے علاوہ کسی اور ذریعے کی پیروی سے ممانعت قطعی ہے۔

شریعت کی بنیاد پر حساب و کتاب کو یقینی بنانے اور دیگر قانونی نظاموں پر انحصار سے بچنے کے لئے وحی کی حفاظت ضروری ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، ﴿ٱتَّبِعۡ مَآ أُوحِيَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ﴾ "جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل

(وحی) کیا گیا ہے، اسی کی پیروی کرو" (الانعام؛6:106) اور مزید فرمایا، ﴿ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ "جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا کسی کو ولی نہ بنالو" (الأعراف؛7:3)۔ وحی میں قرآن اور سنت، دونوں شامل ہیں، جو مکمل اور قطعی ہیں۔ وحی کے اختتام کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی، کیونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمۡ وَلَـٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَۗ ﴾ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" (الاحزاب؛33:40)۔ یہ اس امر کو لازم قرار دیتا ہے کہ اسلام کے مکمل اور واضح دلائل ہر نسل کے لئے محفوظ رکھے جائیں۔

اسلام کا جامع نظام، جو عقیدہ اور شریعت دونوں کو شامل کرتا ہے، کامل ہے اور اس میں وحی سے ماخوذ کسی بھی حکم کا کوئی پہلو نامکمل نہیں۔ یہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی بھی انسانی ساختہ قانون کسی بھی معاملے میں ناانصافی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ شریعت کی مکمل حفاظت، یعنی قرآن و سنت کا محفوظ رہنا، اللہ کی نعمت کی تکمیل کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ قیامت تک مخلوق میں عدل و انصاف قائم رہے۔

امام ابن حزم اندلسی رحمتہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرتے ہوئے فرمایا، ﴿ ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَـٰمَ دِينٗاۚ ﴾ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا" (المائدۃ؛5:3) امام ابن حزمؒ نے فرمایا، (فنقول لمن جوَّز أن يكون ما أمر الله به نبيه من بيان شريعة الإسلام لنا غير محفوظ، وأنه يجوز فيه التبديل، وأن يختلط بالكذب الموضوع اختلاطًا لا يتميز أبدًا: أخبرونا عن إكمال الله -عز وجل- لنا ديننا، ورضاه الإسلام لنا دينًا، ومنعه تعالى من قبول كل دين حاشى الإسلام. أكل ذلك باق علينا ولنا إلى يوم القيامة؟ أم إنما كان للصحابة – رضي الله عنهم – فقط؟ أم لا للصحابة ولا لنا؟ ولا بد من أحد هذه الوجوه ... فإذا كانت الإجابة بالضرورة: كل ذلك باق لنا وعلينا إلى يوم القيامة، صحَّ أن شرائع الإسلام كلها كاملة، والنعمة بذلك

علينا تامة، وهذا برهان ضروري وقاطع على أن كل ما قاله رسول الله صلى الله عليه وسلم في الدين، وفي بيان ما يلزمنا محفوظٌ لا يختلط به أبدًا ما لم يكن منه) "ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں جو یہ بات کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جو شریعت اسلام ہم تک پہنچانے کا حکم دیا تھا، وہ محفوظ نہیں رہی، بلکہ اس میں تبدیلی کا گمان ممکن ہے، اور اس میں جھوٹ اس طرح سے مل سکتا ہے کہ اصل اور تحریف میں فرق کرنا مشکل ہو جائے: تو ہمیں بتاؤ، جب اللہ عزوجل نے ہمارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اسلام کو ہمارے لئے دین کے طور پر پسند فرمالیا، اور اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول کرنے سے منع کر دیا، تو کیا یہ تکمیل صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تک کے لئے تھی؟ یا یہ قیامت تک ہمارے لئے بھی باقی ہے؟ تو اگر جواب یقیناً یہ ہے کہ یہ قیامت تک ہمارے لئے باقی ہے، تو لازم آتا ہے کہ اسلام کے تمام احکام مکمل ہیں اور اللہ کی نعمت ہم پر پوری ہو چکی ہے۔ یہ ایک قطعی اور حتمی دلیل ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے دین کے متعلق بیان فرمایا اور جو کچھ ہمارے لئے واجب قرار پایا، وہ سب محفوظ ہے اور اس میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش ممکن نہیں" (اقتباس کا اختتام)[15]۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الأعراف، آیت 3 میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ صرف اسی کی وحی کی پیروی کرنا لازم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعے قرآنِ کریم میں فرمایا، ﴿ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ وَمَآ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ مُّبِينٞ ﴾ "میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں تو محض واضح طور پر خبر دار کرنے والا ہوں" (الاحقاف؛46:9)، اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا، ﴿وَٱتَّبِعۡ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۚ﴾ "اور اُس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے" (الأحزاب؛33:2)۔ اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے ساتھ تنبیہ کو وحی کے ساتھ خاص کیا اور فرمایا، ﴿ قُلۡ إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِٱلۡوَحۡيِۚ ﴾ "کہہ دو کہ میں تمہیں صرف وحی کے ذریعے خبر دار کرتا ہوں"۔ یہ واضح کرتا ہے کہ وعظ و نصیحت اور گفتار و کردار میں پیروی اور اطاعت کا دائرہ وحی کے ساتھ خاص ہے، جس پر زور دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کو لازم قرار دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام اور ممانعتیں اس کا حصہ ہیں جو اللہ نے نازل کیا ہے، یعنی یہ وحی کا ہی حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿ ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ ٣ ﴾ "اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا کسی اور کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو" (الاعراف؛7:3)۔ آیت میں الفاظ، ﴿ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم﴾ "اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے" جامع حد بندی کا کام کرتے ہیں، اور یہ الفاظ وَلَا تَتَّبِعُواْ "اور کسی اور کی پیروی نہ کرو" ایک کڑی حد مقرر کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے حکم میں یہ دلیل ہے کہ ان کے اقوال، اعمال، احکام اور ممانعتیں سب وحی کا حصہ ہیں۔

دین خود مکمل ہے، جو ہر چیز کی وضاحت فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کیا، مسلمانوں پر اپنی نعمت پوری کی، اور کفار کو اس سے مایوس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿ ٱلۡيَوۡمَ يَئِسَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِن دِينِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَٱخۡشَوۡنِۚ ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗاۚ ﴾ "آج کفار تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں، پس ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا" (المائدۃ؛5:3)۔

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین کے طور پر قبول فرمایا، تو اس نے یہ وعدہ کیا، اور اس کا وعدہ سچا ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ کسی دین کو قبول نہیں کرے گا، اور وہ جو کسی اور طریقے کی پیروی کریں گے، وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿ وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ ٱلۡإِسۡلَٰمِ دِينٗا فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ٨٥ ﴾ "اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا" (آل عمران؛3:85)۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ عقیدہ اور شریعت کے لحاظ سے اسلام، جو کہ ایک مکمل طرزِ حیات ہے، اس کے سوا کسی بھی دوسرے دین کو قبول نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے شریعت کو مکمل کر دیا ہے، جس میں ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کے بارے میں کوئی حکم نہ ہو جو اچھائی اور برائی کے درمیان فرق کو واضح کرے اور لازمی اطاعت کا تقاضا کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿أَيَحْسَبُ ٱلْإِنسَـٰنُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ٣٦﴾ ”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟“ (القيٰمة؛ 75:36)، یعنی کیا اسے کسی بھی معاملے میں احکام اور ممنوعات کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا؟ اسی طرح، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُۥ ٧ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُۥ ٨﴾ ”پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا“ (الزلزال؛ 99:7،8)۔ لہٰذا، لازم ہے کہ وحی ہر عمل میں خیر اور شر کے درمیان وضاحت فراہم کرے تاکہ اسی بنیاد پر حکم لاگو ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ ”اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کیا، جو ہر شے کا مفصل بیان ہے، اور ہدایت ورحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے“ (النحل؛ 16:89)۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے، ﴿وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾ "اور جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے" (الشوریٰ؛ 42:10)۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا، ﴿فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ "اور اگر کسی بات تم میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو“ (النساء؛ 4:59)۔ یہ تمام دلائل ظاہر کرتے ہیں کہ دین مکمل طور پر وحی پر مبنی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر اختلاف کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے، یعنی قرآن اور سنت کی طرف، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی حکم قرآن اور سنت میں لازمی موجود ہے۔ اور چونکہ، اللہ تعالیٰ نے قانون سازی کے حق کو صرف اپنے لئے مخصوص کیا ہے، اور ہر اختلاف کو اللہ کی طرف لوٹانے کا حکم دیا ہے، تو اس امر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حکم کو قرآن اور سنت میں بیان کر دیا ہو۔

ان آیات میں صيغة العموم (عمومی الفاظ) استعمال کئے گئے ہیں، جیسے، ﴿وَمَا﴾ "اور جو کچھ بھی"، ﴿مِن شَيْءٍ﴾ "کسی بھی شے کے بارے میں"، ﴿لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ "ہر شے کے لئے" اور ﴿فِي شَيْءٍ﴾ "ہر چیز میں"۔ یہ تمام الفاظ عمومیت کو ظاہر کرتے ہیں، یعنی ہر مسئلے کے لیے ایک حکم موجود ہے جو اس پر واضح مؤقف فراہم کرتا ہے۔

شرعی حوالے سے ایسا نہیں کہ کسی بھی انسان کے عمل کے بارے میں کوئی شرعی دلیل یا اشارہ موجود نہ ہو کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس عمومی بیان کی روشنی میں ہے کہ ﴿تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ "ہر چیز کی وضاحت کے لئے" اور قرآن کی اس صریح تصدیق کی روشنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ بعض واقعات میں شرعی حکم کا فقدان ہے، یعنی یہ کہ افراد کے بعض اعمال ایسے ہیں جن کو شریعت نے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے، اور نہ تو کوئی دلیل فراہم کی ہے اور نہ ہی ذمہ دار شخص کو اس کے ارادے کے بارے میں رہنمائی کرنے کے لئے کوئی اشارہ پیش کیا ہے، تو اس دعوے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں ایسے معاملات ہیں جن کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس دین کو مکمل نہیں کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایسے اعمال موجود ہیں جن کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ دین ادھورا ہے[16]۔ اس طرح کا دعوی قرآنِ کریم کی صریح نصوص کی منافی کرتا ہے اور اس لئے باطل ہے[17]۔ یہ آیات اس حقیقت کی بھی ضمانت دیتی ہیں کہ قرآن اور سنت محفوظ ہیں، تاکہ مجتہدین ان سے شرعی احکام اخذ کر سکیں اور وہ احکام اللہ کی منشاء کے قریب تر ہوں۔ اگر وحی محفوظ نہ ہوتی، تو احکام کی وضاحت اور شریعت کا واضح فہم ہی ختم ہو جاتا۔

بے شک، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن اور سنت کو لوگوں کے لئے اس بنیاد کے طور پر نازل کیا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنے تمام معاملات میں فیصلے کریں، اختلافات کو حل کریں اور ہر مسئلے اور تنازعے کا حکم معلوم کریں۔ نتیجتاً، دنیا و آخرت میں انسانوں کا حساب ان احکام کے مطابق کیا جائے گا، اور ان کی اطاعت اور نافرمانی کی بنیاد پر ان کا درجہ مقرر ہو گا، جس کا نتیجہ جزا یا سزا کی صورت میں نکلے گا۔ اگر موجودہ دور میں لوگوں تک پہنچنے سے پہلے ان احکام کا تحفظ نہ کیا گیا ہوتا، تو ان کی کیا اہمیت ہوتی؟ اور کسی شخص کا کسی ایسے حکم کی خلاف ورزی پر کیسے مؤاخذہ ہو سکتا تھا جو کبھی اس تک پہنچا ہی نہ ہو؟ کیا ان

(احکام) کا کھو جانا اس جگہ ناانصافی کو متعارف نہیں کر دے گا جہاں انصاف کا قصد کیا گیا ہو؟ کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں نکلے گا کہ کچھ لوگ تو ہدایت حاصل کر لیں گے، جبکہ وہ لوگ جن تک احکام ہی نہیں پہنچے، وہ گمراہ رہ جائیں گے؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ لوگوں کے جن معاملات تک یہ احکام نہیں پہنچے وہ شریعت کے دائرہ کار سے باہر ہو جائیں گے؟ کیا اس بات کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ وہ افراد اللہ کے حکم کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے، اور اس نقصان کی وجہ سے شریعت کا مقصد ہی پورا نہ پائے گا؟ مزید بر آں، کیا یہ احکام جو عمومی طور پر نازل کئے گئے تھے، سنت کی تفصیلی وضاحت کے بغیر ناقابل فہم نہیں ہو جائیں گے؟ کیا یہ انہیں حقیقت سے الگ اور عملی طور پر ناقابلِ نفاذ نہیں بنا دے گا؟ اگر ایسا ہو تو قرآن اپنی وہ خصوصیت کھو دے گا جس میں اسے "ہر چیز کی وضاحت" کہا گیا ہے۔ لہٰذا، سنت کا محفوظ ہونا بعینہٖ ویسے ہی لازم ہے جیسے قرآن محفوظ ہے، تاکہ دونوں مل کر اللہ کی مخلوق پر اس کی نعمت کو اسلام کے ذریعے مکمل کریں، یعنی وہ دینِ اسلام کہ جسے اللہ نے پسند کیا ہے۔ قرآن و سنت کے ذریعے ہی دین کو زمین پر خلافت کے دوران وہ طاقت و قوت ملتی ہے جو اللہ نے امت کے لئے پسند کی ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، (قلت: والفرض علينا وعلى من هو من قبلنا ومن بعدنا واحد؟ قال: نعم، قلت: فإن كان ذلك علينا فرضًا في اتباع أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنحيط به إذا فَرَضَ علينا شيئًا: فقد دلنا على الأمر الذي يؤخذ به فرضه؟ قال: نعم، قلت: فهل تجد السبيل إلى تأدية فرض الله عز وجل في اتباع أوامر رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أحد قبلك أو بعدك ممن لم يشاهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا بالخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ وإن في أن لا آخذ ذلك إلا بالخبر، لما دلني على أن الله أوجب عليّ أن أقبل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم) "میں نے پوچھا: "کیا ہم پر، اور ہم سے پہلے آنے والوں اور بعد میں آنے والوں پر فرائض یکساں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "ہاں" میں نے پوچھا: "اگر ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی فرض ہے، تو کیا اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو انہوں نے ہم پر فرض کی ہیں؟ کیا انہوں نے ہمیں وہ طریقہ بتایا ہے جس سے ان کے احکامات کو ہم پر لازم قرار دیا گیا؟" انہوں نے جواب دیا: "ہاں"، تو میں نے پھر پوچھا: "کیا آپ، یا آپ سے پہلے یا بعد میں آنے وال کوئی ایسا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ ہو، کیا وہ اللہ

کے عائد کردہ ان فرائض یعنی رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی کو پورا کرنے کا کوئی راستہ جان سکتا ہے، سوائے اس کے کہ اس نے انہیں روایتوں کے ذریعے حاصل کیا ہو؟ کیونکہ اگر میں ان کو صرف روایتوں کے ذریعے قبول نہ کروں، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ نے مجھے رسول اللہ ﷺ سے منقول اقوال کا قبول کرنا واجب قرار دیا ہے"۔[18]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دینِ اسلام کو تمام انسانیت کے لئے نازل فرمایا ہے[19]، اور رسالت (پیغام) کو صرف نبوت کے دور تک ہی محدود نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی وحی میں بیان ہوا، چاہے وہ عقائد ہوں، قوانین، واقعات یا خطابات، یہ سب پوری انسانیت پر لاگو ہوتے ہیں۔ وحی کا خطاب تمام انسانوں کے لئے ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے دور سے لے کر قیامت کے روز تک۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةٗ لِّلنَّاسِ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗا وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ٢٨﴾ "اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے" (سبأ: 34:28)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا ٱلَّذِي لَهُۥ مُلۡكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحۡيِۦ وَيُمِيتُۖ فَـَٔامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِيِّ ٱلۡأُمِّيِّ ٱلَّذِي يُؤۡمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ١٥٨﴾ "آپ ﷺ کہہ دیں، اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہی اللہ جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے، تو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول، نبی اُمّی پر، اور وہ جو اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ" (الأعراف: 7:158)۔[20]

یہ عالمگیر خطاب اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے، ﴿قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ﴾ "آپؐ کہہ دیجئے، اے لوگو!" یہ لفظ "الناس" (تمام انسانوں) کو شامل کرتا ہے، یعنی جب سے یہ جامع خطاب نازل ہوا، اس وقت سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور اس خطاب کی عالمگیریت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس کلام سے مزید تقویت دی گئی ہے، ﴿إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيۡكُمۡ جَمِيعًا﴾ "بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔ یہاں ﴿إِنِّي﴾ "بے شک میں" پر زور دیا گیا، کیونکہ اس

خطاب کے مخاطب لوگوں میں انکار کرنے والے اور شکوک رکھنے والے بھی شامل ہیں۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ خطاب سب کے لیے ہے، جیسا کہ اللہ کے الفاظ، ﴿جَمِيعًا﴾ "تم سب کی طرف" نے اس بات کو یقینی بنایا کہ یہ پیغام کسی خاص قوم یا دور تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے۔

انسانیت کے لئے دلیل (حجت) قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ رہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تصدیقی استدلال قیامت تک قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعۡدَ ٱلرُّسُلِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ١٦٥﴾ "رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی حجت (عذر) باقی نہ رہے، اور اللہ زبردست غالب، حکمت والا ہے" (النساء؛ 4:165)۔ اگر دین کا کوئی حصہ کھو جاتا، تو ان امور میں حجت باقی نہ رہتی، اور ان پر مؤاخذہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سنت کا کوئی بھی حصہ کھو جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ دین کے وہ پہلو جو قرآن میں وضاحت طلب تھے، ان کی تشریح ختم ہو جاتی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن اب مفصل نہیں رہا، کیونکہ اس نے سنت کو اپنی وضاحت کے طور پر مقرر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿قُلۡ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَۖ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَإِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُم مَّا حُمِّلۡتُمۡۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهۡتَدُواْۚ وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ﴾ "آپ ﷺ فرما دیں، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم منہ موڑ لو، تو (رسول پر) صرف وہی ذمہ داری ہے جو ان کے ذمہ کیا گیا ہے، اور تم پر وہی (ذمہ داری) ہے جو تم پر ڈالی گئی۔ اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول پر صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے" (النور؛ 24:54)۔ یہاں لفظ (المبین) (واضح) کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ پیغام مکمل طور پر وضاحت کے ساتھ پہنچایا گیا ہے۔ سنت کی فراہم کردہ وضاحت کے بغیر، پیغام "واضح" نہیں ہو سکتا تھا، اور ہدایت کے ذرائع نامکمل ہوتے۔ ان تفصیلات کے بغیر جو سنت سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بغیر صرف قرآن کے عمومی یا مبہم پہلوؤں تک خود کو محدود کر لینا، ہدایت کو مکمل طور پر سمجھنے میں ناکامی کا باعث بنے گا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے، اور اسی طرح سنت بھی محفوظ ہے، کیونکہ سنت ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے دین کی وضاحت کی گئی، قرآن کے عمومی احکامات کو خاص کیا گیا، اس کے الفاظ کی تشریح کی گئی، اور اس کے احکام اور معانی کو فصاحت سے بیان کیا گیا۔ سنت کے ذریعے ہی دین مکمل ہوا، اور ہمارا کام یہ ہے کہ اس کے قطعی اور ظنی حصوں میں فرق کریں، کیونکہ شریعت کے بیشتر احکام سنت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ سنت قرآن کی وضاحت کرنے والی، اس کے احکام کو تفصیل سے بیان کرنے والی، اور دین کے اصول و فروع میں ربط پیدا کرنے والی ہے۔ بعض ایسے احکام بھی سنت سے ثابت ہیں جو قرآن میں براہ راست مذکور نہیں۔ قرآن اور سنت دونوں کے ذریعے دین مکمل ہوا، اللہ کی نعمت کی تکمیل ہوئی، اور اس نے اسلام کو ہمارا دین بنا کر پسند کیا، جس میں تمام احکام شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ﴾ "اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی تاکہ تم لوگوں کے لئے اس کی وضاحت کر سکو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے، اور تاکہ وہ غور و فکر کریں" (النحل: 16:44)، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا، ﴿وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِي ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٗ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ﴾ "اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور ہدایت و رحمت ان کے لئے ہے جو ایمان لائے ہیں" (النحل: 16:64)۔ چونکہ شریعت کے قانونی احکام تک پہنچنے کے لئے درست اور دقیق اصول موجود ہیں، اس نے شرعی احکام تک پہنچنے میں ظنی غلبے (غلبة الظن) کے ذریعے حکم نکالنے کا ایک طریقہ فراہم کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ اس نے سنت سے ماخوذ انفرادی (آحاد) دلائل کی صحت یا دلالت میں ظن (غیر قطعی) ہونے کو قبول کیا، جیسا کہ اس نے بعض قرآنی آیات کی دلالت کی تعبیر میں ظن (غیر قطعی) کو بھی تسلیم کیا۔ چنانچہ دین اپنے تمام تر اجزاء میں، اصول فقہ (فقہ کے اصول) کے ذریعے، ہر عمل، معاملے اور مسئلے کے لئے اللہ کے احکامات اور ممنوعات کو فراہم کرنے کے وعدے کو پورا کرتا ہے، یہاں تک کہ ذرہ برابر کے عمل کے بھی حساب کتاب کو یقینی بناتا ہے، اور خیر کو شر سے ممتاز کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس دین کو منتقل کیا، انہوں نے لازماً اسے قطعی اجماع کے ساتھ منتقل کیا ہے، کیونکہ ان کی دیانت داری پر کسی بھی قسم کے شک وشبہ سے

دین کی تکمیل، اس کے ہر معاملے پر مفصل ہونے، اور اس کے مواخذہ کرنے کی صلاحیت پر اثر پڑتا۔ لہٰذا، جن لوگوں نے دین کو محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا، ان کے اجماع کو یقینی طور پر ثابت شدہ مانا جاتا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "البرہان المبین" میں سنت کو بطور وحی سے علم حدیث کے درست اور تفصیلی طریقوں کے ذریعے سنت کے تحفظ، اس کی حفاظت، اس کی حاکمیت اور دین کے بنیادی ماخذ کے طور پر اس کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لہٰذا اس ذمہ داری میں اس عمل کو سمجھنا شامل ہے جس کے ذریعے مخصوص واقعات پر شرعی احکام کا اطلاق کیا جاتا ہے، جو ہر صورت حال کے لئے ایک حکم فراہم کرتا ہے جو طرزِ حیات میں انسانی برتاؤ کو منظم کرتا ہے، مکلف (ذمہ دار) کے اعمال کو حل کرتا ہے، انسانی معاملات کے احکام کی وضاحت کرتا ہے، اور ریاست، زندگی اور معاشرے کے نظام کو چلانے والے قوانین کی وضاحت کرتا ہے۔

**حوالہ جات:**

[1] شیخ صالح الشامی کی تصنیف "میں مطمئن ہوں کہ اسلام میرا دین ہے" میں فقیہ ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کی تصنیف "دین" سے اقتباس کرتے ہوئے دین کی تعریف پیش کی گئی ہے۔

[2] شیخ صالح الشامی کی تصنیف "میں مطمئن ہوں کہ اسلام میرا دین ہے" (صفحہ 15-17) میں ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کی تصنیف "دین" سے واضح کردہ اختصار، صفحات 30-52

[3] شیخ صالح الشامی کی تصنیف "میں مطمئن ہوں کہ اسلام میرا دین ہے" (صفحہ 15-17)

[4] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے "خود اپنا محاسبہ کرنا"۔ تاہم، اس کا زیادہ درست مفہوم یہ ہے کہ خود کو اس طرح منظم کرنا کہ وہ ایسے افعال سے بچتا رہے جن کی وجہ سے محاسبہ ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ میں اس کی مزید وضاحت کی، « الكيس من دان نفسه وعمل لما

بعد الموت، والفاجر من يُتبع نفسه هواها ويتمنى على الله عز وجل » "داناوہ (شخص) ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرتا ہے اور موت کے بعد کی تیاری کرتا ہے، اور غافل وہ ہے جو اپنے نفس کی پیروی کرتا رہتا ہے اور اللہ عزوجل سے بے سود امیدیں لگاتا ہے"۔ پس، جاہل شخص اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے، جبکہ عقلمند شخص اللہ کے احکام کے مطابق اپنے آپ کو منظم کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے۔

الازہریؒ نے "تهذيب اللغة" میں بیان کیا ہے کہ ابو عبید نے کہا: "جملہ دان نفسه کا مطلب ہے اپنے آپ کو عاجز رکھنا اور بندگی میں لانا... " اور یہ جملہ "دین اللہ کے لئے ہے" اسی سے آتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے اللہ کی اطاعت اور بندگی کرنا۔ اس کے علاوہ، اس جملہ "عقلمند وہ ہے جو دان نفسه کرتا ہے" کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے وہ اپنے آپ کا محاسبہ کرتا ہے"۔ اقتباس ختم۔

[5] امام ابو حامد الغزالیؒ کی تصنیف "المنقول من تعليقات الاصول" سے اقتباس، صفحہ 21۔

[6] ایک معاشرے کی شناخت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ باہمی تعلقات کس طرح منظم کئے جاتے ہیں، اور ان تعلقات کو چلانے والے نظام کیا ہیں۔ مثلاً، سودی (ربا) تعلقات ایک سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کا نتیجہ ہیں۔ جب تک کوئی معاشرہ سرمایہ دارانہ رہے گا، اس میں یہ سودی تعلقات تبدیل نہیں ہو سکتے۔ مغربی معاشروں میں یا حتیٰ کہ اسلامی ممالک میں جہاں سودی نظام عام ہے، لاکھوں مسلمانوں کا ربا سے خود کو بچا کر رکھنے سے اس سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی تبدیلی کے لئے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

در حقیقت، ان مسلمانوں کا مال لازماً بینکوں میں جائے گا اور بینک اسے اپنی مرضی کے مطابق قانونی طور پر سرمایہ کاری کرتے رہیں گے۔ مسلمانوں کا پیسہ رِبا، شراب کی تجارت، اور بینکوں کی نائٹ کلبوں میں کی جانے والی سرمایہ کاریوں کے ساتھ ملتا رہے گا، چاہے مسلمانوں کو یہ پسند ہو یا نہ ہو۔ مزید بر آں، وہ ریاستی قوانین جیسے لازمی

انشورنس، ٹیکس، اور دیگر ایسے نظاموں کے تابع ہوں گے جو اسلام میں ممنوع ہیں۔ اس لئے، اصل توجہ تعلقات اور نظاموں پر ہونی چاہیے، نہ کہ صرف افراد کے انفرادی عقائد پر۔

[7] اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے، ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي جَعَلَكُمۡ خَلَٰٓئِفَ ٱلۡأَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٖ دَرَجَٰتٖ لِّيَبۡلُوَكُمۡ﴾ "اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے آزما سکے جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے۔ یقیناً تمہارا رب جلد سزا دینے والا ہے؛ اور بے شک وہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے" (الأنعام؛ 6:165)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مزید ارشاد ہے، ﴿هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَكُمۡ خَلَٰٓئِفَ فِى ٱلۡأَرۡضِ﴾ "وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر جانشین بنایا ہے" (فاطر؛ 35:39)۔

[8] قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے، ﴿إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ "بے شک حکم صرف اللہ ہی کا ہے" (الانعام: 57، یوسف: 40، یوسف: 67)۔

حوالہ کی تفصیل کے لئے باب: دوسرا حصہ: اللہ القوی العزیز ہی سب سے بڑھ کر عدل کرنے والا ہے: قانون سازی کا حق صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔

[9] اقتدارِ اعلیٰ (حاکمیت) ربِ کائنات کی ربوبیت کی ایک صفت ہے، جو اللہ کے پاس ہی حقِ قانون سازی کے ذریعے سے ہے، اور شانِ خداوندی، الوہیہ کی ایک صفت ہے، جو عبادت اور تقدیس میں یکتا ہے اور یہ صرف اللہ کے لئے ہے، اور اس میں یہ شامل ہے کہ اللہ نے جو بھی احکام دیئے ہیں، اس پر عمل کیا جائے اور ان لوگوں کو آقا نہ بنایا جائے جو دین کے معاملات میں اللہ کی اجازت کے بغیر قانون سازی کرتے ہیں یا اس کے فیصلوں کو بدلتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ﴾ "حکم تو صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ

کرو۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن بیشتر لوگ نہیں جانتے"(یوسف؛12:40)۔ یہ آیت اطاعت کے حق اور عبادت کے حق کو یکجا کرتی ہے۔ بندوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کریں اور صرف اسی کی بندگی کریں۔ ربوبیت بذاتِ خود شرعی حاکمیت کو شامل کرتی ہے۔ جو کوئی بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے سوا کسی دوسرے قانون کے تحت حکمرانی کرتا ہے، وہ ایک طرف تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی صفات کو مسترد کرتا ہے، جبکہ دوسری طرف خود کے لئے ربوبیت اور اس کی صفات کا دعویٰ کرتا ہے۔

[10] اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب انسان ایک دوسرے کے لئے قانون سازی کرتے ہیں، تو وہ حقیقت میں ایک دوسرے کو اللہ کے سوا معبود بنا رہے ہوتے ہیں۔

[11] اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ تِبْيَٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ "اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کیا، جو ہر شے کا مفصل بیان ہے، اور ہدایت و رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے"(النحل؛16:89)۔ قرآن میں وہ وضاحت موجود ہے جو اس ہدایت (ذکر) کے ذریعے آئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے نازل ہوا ہے، اور یہ ہدایت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے اور ان احکامات پر عمل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ (وضاحت) اس (ہدایت) کا حصہ ہے، کیونکہ یہ وضاحت بھی سنت ہی کے ذریعے سے پہنچی ہے، جس کی بنیاد قرآن میں ہے، ﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ "اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی تاکہ تم لوگوں کے لئے اس کی وضاحت کر سکو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے، اور تاکہ وہ غور و فکر کریں"(النحل؛16:44)۔

[12] ہم نے اپنی کتاب "واضح دلیل کہ سنتِ مبارکہ وحی ہی ہے، اور یہ محفوظ ہے، مستند ہے، اور دین کا ایک بنیادی ماخذ ہے" میں سنت کی اتھارٹی کے لئے دلائل" کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

[13] امام النبھانی رحمتہ اللہ علیہ اصول الفقہ کی اپنی تصنیف "الشخصیة الاسلامیہ" جلد سوئم میں فرماتے ہیں: "یہ نہیں کہا جاسکتا کہ افعال اور اشیاء کے بارے میں طے شدہ اصول ان کا جائز ہونا ہے، اور یہ اس دلیل کی بنیاد پر کہ یہ فائدے کی چیزیں ہیں جو مالک کے لئے کسی ضرر یا نقصان کی کوئی بات نہیں رکھتیں، لہٰذا یہ جائز ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نوعِ انسان اس سب کی پابند ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں، کیونکہ ان کی نافرمانی پر انہیں سزا ملے گی۔ اس لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے اور ان کے پیغام کے احکام پر عمل کیا جائے، نہ کہ ہر عمل کا جائز ہونا یا فرض سے آزاد ہونا۔ آیات کی عمومیت کے بارے میں دیئے گئے احکام اس بات کی ضرورت کو ظاہر کرتے ہیں کہ شریعت کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مزید فرمایا، ﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ "اور جس بات میں بھی تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے" (الشوریٰ: 42:10)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ "اور اگر کسی بات تم میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو" (النساء؛4:59)۔ اور مزید فرمایا، ﴿وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ تِبۡيَٰنٗا لِّكُلِّ شَيۡءٖ﴾ "اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کیا، جو ہر شے کا مفصل بیان ہے" (النحل؛16:89)۔ مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، كل أمرٍ ليس عليه أمرُنا فهو رَدّ "ہر وہ امر جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو، پس وہ رَد ہے"۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ بنیادی طے شدہ اصول یہ ہے کہ شریعت کی ہی پیروی کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

مزید یہ کہ، شریعت کے وارد ہونے کے ساتھ ہی افعال اور اشیاء کے بارے میں احکام متعین کئے گئے۔ اس لئے، بنیادی اصول یہ ہے کہ شریعت میں تلاش کیا جائے کہ افعال یا اشیاء (مقاصد) پر کوئی حکم ہے یا نہیں، نہ کہ انہیں بنیادی طور پر جائز قرار دیا جائے یا عقل کی بنیاد پر جائز ہونے کا حکم دے دیا جائے جبکہ شریعت موجود ہے۔

اسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اعمال کے بارے میں بنیادی اصول انہیں روک دینا یا حکم سے گریز کرنا ہے۔ روک دینے کا مطلب ہے یا تو اس عمل کو روکنا یا شریعت کے احکام کو مؤخر کرنا، جو کہ ناجائز ہے۔ قرآن اور حدیث میں یہ ثابت ہے کہ کسی امر کے بارے میں لاعلمی کے بارے میں، حکم سے بچنے کے بجائے، اس کے بارے میں پوچھنا ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ "تو تم اہلِ ذکر سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے" (النحل؛ 16:43)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی کھلے زخم پر تیمم کے بارے میں فرمایا، ألاسألوا إذا لم يعلموا، فإنّما شفاء العيّ السؤال "اگر انہیں معلوم نہیں تھا تو انہوں نے کیوں نہیں پوچھا؟ بے شک، لاعلمی کا علاج سوال کر لینا ہے"۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی اصول یہ ہے کہ شریعت سے احکام طلب کیے جائیں، نہ کہ حکم دینے یا فیصلہ کرنے سے بچا جائے۔

لہٰذا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد سے احکام شریعت سے ہی اخذ کئے جاتے ہیں، اور شریعت کے آنے سے قبل کوئی حکم نہیں ہوتا۔ اس لئے، فیصلہ شریعت کے آنے کے بعد ہی پر منحصر ہے، یعنی ہر معاملے کے لئے مخصوص شرعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ نتیجتاً، کوئی بھی حکم دلیل کے بغیر نہیں ہوتا، اور کوئی حکم شریعت کے بغیر نہیں ہوتا۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ شریعت میں حکم تلاش کیا جائے، یعنی کسی بھی حکم کے لئے شرعی دلیل کی تلاش بھی خود شریعت سے ہی ہونی چاہیے۔

یہ اصول اعمال کے لئے لاگو ہوتا ہے۔ جہاں تک اشیاء (چیزوں) کی بات ہے، جو کہ افعال کا موضوع ہوتی ہیں، تو ان کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ جائز ہیں، جب تک کہ ان کی ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

اشیاء کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ ان کی اجازت دی گئی ہے اور انہیں ممنوع نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کہ ان کی ممانعت کے بارے میں کوئی واضح شرعی دلیل موجود نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی نصوص نے تمام اشیاء کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ نصوص عمومی ہیں، جس میں ہر شے شامل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے، ﴿أَلَمْ

تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلْأَرۡضِ﴾ ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا؟“ (الحج؛ 22:65)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے زمین کی تمام چیزوں کو انسانیت کے لئے تابع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے زمین کی تمام چیزوں کو انسان کے استعمال کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا، ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِي ٱلۡأَرۡضِ حَلَٰلٗا طَيِّبٗا﴾ ”اے لوگو، جو کچھ زمین پر ہے، اس میں سے حلال اور طیب کھاؤ“ (البقرۃ؛ 2:168)۔ مزید ارشاد ہے کہ، ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ خُذُواْ زِينَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٖ وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ﴾ ”اے اولادِ آدم، اپنی زینت ہر نماز کے وقت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو“ (الأعراف؛ 7:31)۔ اور مزید فرمایا، ﴿هُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلۡأَرۡضَ ذَلُولٗا فَٱمۡشُواْ فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُواْ مِن رِّزۡقِهِۦۖ﴾ ”وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ“ (الملک؛ 67:15)۔ یہ تمام آیات اور دیگر جو اشیاء کو جائز قرار دیتی ہیں، عام ہیں، جو تمام اشیاء کے جائز ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ لہٰذا، تمام چیزوں کی اجازت کا استنباط شریعت کے عمومی خطاب سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی اجازت کا ثبوت شرعی نصوص میں سے ہے جو ہر شے کو جائز قرار دیتی ہیں۔

البتہ اگر کسی شے سے منع کیا گیا ہے، تو اس عمومی اجازت کو محدود کرنے والی اور اس مخصوص شے کو عمومی اجازت سے علیحدہ کرنے والی کوئی خاص نص موجود ہونی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیاء کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ اجازت دی گئی ہیں۔ اور اس کے مطابق، جو اشیاء منع کی گئی ہیں تو شرعی نصوص خاص طور پر ان چیزوں کی ممانعت کی نشاندہی کرتے ہیں جو کہ عمومی نصوص کے علاوہ ہیں۔ مثلاً، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ﴿حُرِّمت عليكم المَيْتَة والدم ولحم الخنزير ”تم پر مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو حرام کیا گیا ہے“ (المائدۃ؛ 5:3)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، « حُرِّمت الخمرة لعينها » ”شراب اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہے“۔ اس طرح، وہ چیزیں جو شریعت میں خاص طور پر حرام قرار دی گئی ہیں وہ عمومی نصوص کے علاوہ ہیں، جو انہیں بنیادی اصول کے برعکس قرار دیتی ہیں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام اشیاء جائز ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شریعت کے آنے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہوتا۔ شریعت کے معاملات میں عقل کی بنیاد پر کوئی بھی حکم جس کے لئے کوئی دلیل نہ ہو، وہ مسترد ہے"۔ اختتام اقتباس۔

[14] حوالہ کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب "واضح دلیل کہ سنتِ مبارکہ وحی ہی ہے، اور یہ محفوظ ہے، مستند ہے، اور دین کا ایک بنیادی ماخذ ہے" کے باب "ظنی دلائل کی بنیاد پر عمل شرعی احکام کا تعین" سے رجوع کریں۔

[15] ابن حزم الاندلسی کی تصنیف "الاحکام فی اصول الاحکام"، جلد 1، صفحہ 122-123، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن، 1405ھ / 1985 عیسوی

[16] حوالہ کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب کے باب "کوئی شرعی خلا نہیں ہے" کو ملاحظہ کریں، جس میں اس آیت مبارکہ کے حوالہ سے بیان ہے، ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے" (المائدۃ؛5:3)۔

[17] حوالہ کی تفصیل کے لئےتقی الدین النبہانی رحمتہ اللہ علیه کی تصنیف الشخصية الاسلاميه، حصہ سوئم: (اصول الفقه)" کو ملاحظہ کریں۔

[18]

أ) الام، جلد 7، صفحہ 251

ب) امام الشافعیؒ کی تصنیف جمع العلم، صفحہ نمبر 21-22

ج) ڈاکٹر عبدالغنی عبدالخالق کی تصنیف حجیت السنت ، دار العلمیة للکتاب الاسلامی / بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی فکر، 1995 ایڈیشن، صفحہ نمبر 262-263

[19] امام ابن حزمؒ نے تصنیف "الاحکام" جلد 1، صفحہ 97 میں اس آیت میں "رجوع کرنا" کے معنی پر بیان کیا ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥٩﴾ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی بھی۔ اور اگر کسی بات تم میں اختلاف ہو جائے تو اگر اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے" (النساء؛4:59)، وہ فرماتے ہیں (والبرهان على أن المراد بهذا الرد: إنما هو إلى القرآن والخبر عن رسول

الله صلى الله عليه و سلم، أن الأمة مجمعة على أن هذا الخطاب متوجه إلينا، وإلى كل من يُخلَقُ وتُركَّب روحه في جسده إلى يوم القيامة، من الجنة والناس كتوجهه إلى من كان على عهد رسول الله صلى الله عليه و سلم، وكل من أتى بعده عليه السلام وقبلنا، ولا فرق) " اور برہان (ثابت شدہ دلیل) یہ ہے کہ اس رُجوع کرنے کا مطلب بالخصوص قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرف ہے، یہ امت کا اجماع ہے کہ یہ خطاب ہم سے متعلق ہے اور قیامت تک کے لئے ہر اُس آنے والی تخلیق کے لئے ہے جو اس دنیا میں آئے گا اور جس کی روح اس کے بدن میں ڈالی جائے گی، جنات اور انسان دونوں سے، بالکل ویسے ہی جیسے کہ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں رہنے والوں کے لئے بھی تھا، اور جیسے یہ خطاب ان کے لئے بھی تھا جو آپ ﷺ کے بعد آئے اور ہم سے پہلے آئے۔ اس حکم کے اطلاق میں کوئی فرق نہیں ہے"۔

**حوالہ:** ڈاکٹر عبد الغنی عبد الخالق کی تصنیف حجیت السنت ، دار العلمية للكتاب الاسلامی / بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی فکر، 1995 ایڈیشن، صفحہ نمبر 263۔

[20] الالوسی، الرازی، ابن عاشور کی تفسیر اور الشعراوی کی رائے سے ڈاکٹر فاضل السامرائی نے کہا، 'یہ صفات یہود کو یاد دہانی اور نصیحت دینے کے لئے ذکر کی گئیں، کیونکہ انہوں نے محمد ﷺ کی نبوت کو مسترد کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ موسیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انہوں نے محمد ﷺ کے مشن کو ناقابلِ یقین سمجھا اور یقین کیا کہ کوئی نبی موسیٰ کی طرح نہیں ہو سکتا۔ لہذا، اللہ نے انہیں یاد دلایا کہ وہ اکیلا ہی تمام زمین و آسمان کا مالک ہے اور وہی تمام نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ وہ (اللہ) ایک پیغمبر بھیجتا ہے اور پھر اس کے بعد دوسرا پیغمبر بھیجتا ہے، کیونکہ بادشاہی تو صرف اسی اللہ کے لئے ہی ہے۔

زندگی اور موت دینے کا ذکر یہود کو یاد دہانی کے طور پر ہے کہ اللہ ایک قانون کو زندہ کرتا ہے اور پھر دوسرے کو۔ لہٰذا، انہیں اس پر حیران نہیں ہونا چاہئے کہ یہ صفات اس سیاق و سباق میں ذکر کی گئی ہیں، کیونکہ یہ گہری فکر کا معاملہ ہے"۔

فہرست

# مابعد جدیدیت (Postmodernism) میں امت مسلمہ

خلیل مصعب، ولایہ پاکستان

مابعد جدیدیت (Postmodernism) کا ظہور 1960ء اور 1970ء کی دہائیوں کے ثقافتی اور سیاسی بحرانوں کے ساتھ جا ملتا ہے۔ جدیدیت (Modernity) کی ناکامیوں نے—جو کہ دو عالمی جنگوں، فاشزم کے عروج، نو آبادیاتی اور سامراجی جارحیت (جیسے الجزائر اور ویتنام کی جنگیں) اور طبقاتی عدم مساوات کی شکل میں ظاہر ہوئی تھیں—انہوں نے مابعد جدیدیت کی تنقیدوں کو جنم دیا۔ مشہور مفکرین جیسے میشل فوکالٹ (Michel Foucault) اور جیک ڈریڈا (Jacques Derrida) نے جدیدیت کے مستقل ترقی کرنے اور عقل کی مطلق بالادستی کو چیلنج کیا، اور اس کے برعکس سچائی اور حقیقت کی اہمیت پر زور دیا۔

مابعد جدیدیت بنیادی طور پر مغرب کے آفاقی (Universalist) دعووں کو چیلنج کرنے کے لئے ابھری تھی، لیکن حالیہ برسوں میں بعض نظریاتی مکاتبِ فکر نے اس نظریہ کو اسلامی سیاسی تحریکوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے اپنا لیا ہے۔ شناختوں اور روایات کو "تشکیل شدہ" اور "ایجاد شدہ" قرار دے کر، مابعد جدیدیت کے نظریہ کو اسلام اور اس کی عملی تعلیمات کو ناقابل قبول ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

پروفیسر سلمان سید نے اپنی تصنیف "Recalling the Caliphate" میں لکھا ہے کہ مابعد جدیدیت کا ایک عمومی حربہ یہ رہا ہے کہ اسلام ازم کو (جو یہاں اسلام کے سیاسی پہلو کے طور پر استعمال ہو رہا ہے) ایک غیر مستند (inauthentic) تجدید کے طور پر پیش کیا جائے، بجائے اس کے کہ اسے اسلامی روایات کا ایک جائز اور فطری تسلسل کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلام ازم کو ایک ایسے بیانیے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو ایک تصوراتی تحقیق کردہ خیال کے گرد تخلیق کیا گیا ہو (al-Azmeh, 1993:7)۔ یعنی، اسلام پسند 'حقیقی' اسلام کی اپنی دریافت کا جو دعویٰ کرتے ہیں، وہ درحقیقت اسلامی عقیدہ کی ایک نئی تشکیل کر رہے ہوتے ہیں، جو کہ اسلام کی جداگانہ شناخت کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس دلیل کے مطابق، ثقافتی رواج جیسے کہ 'اسلامی لباس' یا 'اسلامی طرزِ زندگی' حالیہ ایجادات ہیں، نہ کہ حرمت کی رسومات کا

بحال کرنا(1993:21)۔اس طرح کی دلیلیں اسلام پسندوں کے دعووں کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا ہے، کہ وہ مسلمانوں کی خود مختاری اور دنیا کو استعماریت کے اثرات سے نجات کی خواہش کا اظہار ہیں"۔

مابعد جدید فکر کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا دراصل اس بات کے ردِ عمل کے طور پر تھا کہ اسلام نے سیکولرائزیشن کی راہ کو اختیار نہیں کیا۔ سلمان سید لکھتے ہیں:

**"بیسویں صدی کی آخری چوتھائی تک یہ قوی توقع کی جارہی تھی کہ جیسے جیسے مغربی تہذیب کی پیش قدمی جاری رہے گی، اسلام بھی سیکولرائزیشن اور جدیدیت کی راہ پر چلتے ہوئے تحلیل ہو جائے گا۔ نہ صرف یہ کہ اسلام نے عیسائیت کے مختلف مظاہر کی پیروی بھی نہیں کی، یعنی اسے محض ذاتی زندگی تک محدود کر دینا اور سیاست سے الگ کر دینا، بلکہ اس کے برعکس، اسلام نے دنیا میں اپنی عوامی موجودگی کو زور وشور سے دوبارہ منوایا ہے۔ اسلام کے نام پر ہونے والی تحریکوں نے موجودہ عالمی نظام کو جغرافیائی، ثقافتی اور فلسفیانہ سطح پر چیلنج کیا ہے"۔**

مابعد جدیدیت کے اس حربہ نے کہ سیاسی اسلام کو ایک "نئے ایجاد کردہ عقیدہ" کا نام دے دیا جائے، اس نے مزید آگے بڑھتے ہوئے خود **'اسلام'** کی اصطلاح کے قابل قبول ہونے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقیدے سے جڑے تصورات، جیسا کہ 'امت' کے قابل قبول ہونے پر سوال اٹھائے۔ "ماورائے طبیعیات کے شکوک وشبہات" کے تحت (جیسا کہ سلمان سید اسے کہتے ہیں)، مابعد جدید کے بیانات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام اس قدر متنوع اور منتشر ہے کہ ہم آہنگی برقرار نہیں رہ سکتا۔ مزید یہ کہ، مسلمانوں کے مابین جغرافیائی، ثقافتی اور سیاسی تفرقات کا مطلب یہ ہے کہ لفظ 'امت' اپنے وہ بنیادی معانی ہی کھو دیتا ہے کہ مسلمان معاشرے کی ایک مشترکہ شناخت ہے۔

یہ سمجھنا ازحد ضروری ہے کہ ان دلائل کے پیچھے کون سا ایجنڈا کارفرما ہے۔ پروفیسر جوزف جے کامنسکی، اپنی کتاب 'Islam, Liberalism, and Ontology' میں مابعد جدید کے مضامین کے سیاسی مضمرات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**"اسلام کو ایک غیر مربوط زمرہ کے طور پر پیش کرنے کا حتمی طور پر مطلب یہ ہے کہ اسلام کے معانی ہی دشمن حاوی قوتوں اور جبر کی خواہشات کے تابع ہو گئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے پاس اس کی مزاحمت کرنے کے لئے اپنا کوئی متحدہ دینی یا الہامی حوالہ نہیں ہوگا، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی اور ان کے اس خلا کو پُر کر دے گا۔ اسلام**

**کے خواص کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف، ایلزین (El Zein) کے مطابق، اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ صرف مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ یہ بتائیں کہ اسلام کیا ہے۔ ایلزین جیسے مصنفین کی سوچ اور اس طرح کے نظریات آخر کار مسلمانوں سے ان کا اختیار چھین لیتے ہیں—اور وہ اس صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے مذہبی بیانیے کی وضاحت خود کریں۔ جب دلائل پر مبنی اصول کو تشکیل دینے والی اصطلاحات اور معانی کو ایسے افراد کنٹرول کرنے لگیں جو اس عقیدہ کا حصہ ہی نہ ہوں— خصوصاً تب جب یہ اصطلاحات اور معانی ایسے ہوں جن پر اس عقیدہ کے اندر موجود افراد کو خود اعتراض ہو—تو یہ اعلیٰ درجے کی سامراجیت ہے"۔**

اسلام کو مبہم بنا کر، یہ مسلط قوتیں جیسے کہ مغربی حکومتیں اور سیکولر تعلیم دان، اپنی مرضی کی تشریحات مسلط کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو بیرونی سطح پر "انتہا پسند" اور "اعتدال پسند" قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ اسلامی اقدار و روایات جو ان قوتوں کے لئے قابلِ قبول ہوں، انہیں مسلط کیا جا سکتا ہے۔

نیز یہ کہ، اُمت کو ایک حقیقی اور مربوط جماعت کی بجائے محض ایک مباحثاتی تشکیل قرار دے کر مابعد جدیدیت کے ناقدین اجتماعی مسلم یکجہتی کو کمزور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے ایک اُمت ہونے کو ایک جائز اور حقیقی تصور کے طور پر اپنانے سے روک کر ان کی صلاحیتیں کمزور کرتے ہوئے انہیں الگ الگ قوموں یا فرقہ وارانہ گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، تا کہ وہ مغربی بالادست قوتوں کو چیلنج کرنے اور خلافت جیسے ایک متحد سیاسی نقطہ نظر کو واضح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

یقیناً مسلمانوں کا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کو یہ اجازت نہ دیں کہ وہ ان کے لئے ان کے اپنے دین کی وضاحت کرتے پھریں بلکہ مسلمان اپنی عقیدہ سے دوبارہ جُڑ کر اسے خود سمجھیں اور بیان کریں۔ پروفیسر طلال اسد اپنے مقالہ 'The Idea of an Anthropology of Islam' میں مغربی علمی حلقوں کی طرف سے "اسلام" کی اصطلاح پر شکوک و شبہات کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی کو اسلام کے بارے میں لکھنا ہے تو:

> **"...اس کو ایسے شروع کرنا چاہئے، جیسے مسلمان کرتے ہیں کہ دلیل کی بنیاد پر عقیدہ کا تصور ہو جس میں قرآن و حدیث کی بنیادی نصوص شامل ہوں اور عقیدہ کا تعلق ان سے ہو"۔**

"بے شک، اسلام وہ دین ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لئے پسند کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ اس دین کو مکمل کیا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے،

﴿ ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾

**"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا"(سورۃ المائدہ؛5:3)**

اور وہی لوگ مسلمان ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، اور ایک ہی امت کا حصہ ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا،

﴿إِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمۡ أُمَّةٗ وَٰحِدَةٗ وَأَنَا۠ رَبُّكُمۡ فَٱعۡبُدُونِ﴾

**"بے شک، یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس میری ہی عبادت کرو"(سورۃ الأنبیاء:92)**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِب وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ أَنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ دُونَ النَّاسِ» "شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ تحریر محمد نبی ﷺ کی طرف سے قریش اور یثرب کے مسلمانوں اور مومنوں کے درمیان ہے اور جو ان کی پیروی کریں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں کہ یہ سب، تمام لوگوں سے ممتاز ایک امت ہیں"۔** (البیہقی نے السنن الکبریٰ میں روایت کیا)۔

اور اسلام کی حقانیت اور ایک امت کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اور ایک امارت، امامت اور خلافت کو قائم کر کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کے مطابق حکومت کرے، ایسا کر کے ہی مؤمنین اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے اونچی عمارتیں بنانی شروع کر دیں تو دوسرے خلیفۂ راشد، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **«يَا مَعْشَرَ الْعُرَيْبِ، الأَرْضَ الأَرْضَ، إِنَّهُ لاَ إِسْلاَمَ إِلاَّ بِجَمَاعَةٍ، وَلاَ جَمَاعَةَ إِلاَّ بِإِمَارَةٍ، وَلاَ إِمَارَةَ إِلاَّ بِطَاعَةٍ. فَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى الْفِقْهِ كَانَ حَيَاةً لَهُ وَلَهُمْ، وَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى غَيْرِ فِقْهٍ كَانَ هَلاَكًا لَهُ وَلَهُمْ»**

"اے عرب کے لوگو! عاجز بن کر رہو، بے شک جماعت کے بغیر اسلام نہیں، اور امارت کے بغیر جماعت نہیں، اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔ پس اگر لوگ فقہہ (شرعی علم) کی بنیاد پر کسی کو اپنا سردار مقرر کریں تو اس میں اس کے لئے اور ان لوگوں کے لئے بھی زندگی ہے، اور اگر لوگ فقہہ کے علم کے بغیر کسی کو اپنا سردار مقرر کریں تو اس میں اس کے لئے اور ان کے لئے بھی ہلاکت ہے" (اسے الدارمیؒ نے روایت کیا ہے)۔

فہرست

# اخلاصِ کامل

خلیفہ محمد-اردن

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

**﴿قُلْ لَوْ كانَ الْبَحْرُ مِداداً لِكَلِماتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِماتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنا بِمِثْلِهِ مَدَداً * قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾**

"کہہ دو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اور اگرچہ اس کی مدد کے لیے ہم ایسا ہی اور سمندر لائیں۔ کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے"۔(سورۃ الکھف؛18:109-110)

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس پہلی آیت کے نزول کے سبب کے بارے میں فرماتے ہیں، جیسا کہ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے: قالت اليهود لما قال لهم النبي، صلى الله عليه وسلم، **﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾** قالوا وكيف وقد أوتينا التوراة، ومن أوتي التوراة فقد أوتي خيراً كثيراً؟ فنزلت، **﴿قُلْ لَوْ كانَ الْبَحْرُ مِداداً لِكَلِماتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾** "یہود نے اُس وقت کہا جب نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾** "اور (اے لوگو) تمہیں بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے" (سورۃ الاِسراء؛17:85)۔ تو وہ کہنے لگے: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ ہمیں تو تورات دی گئی ہے، اور جسے تورات دی جائے، گویا اُسے بہت بڑا خیر عطا کیا گیا! تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **﴿قُلْ لَوْ كانَ الْبَحْرُ مِداداً لِكَلِماتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾** "کہہ دو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے"(سورۃ الکھف؛18:109)۔

اور امام قرطبیؒ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: وقيل قالت اليهود إنك أوتيت الحكمة، ومن أوتي الحكمة فقد أوتي خيراً كثيراً، ثم زعمت أنك لا علم لك بالروح؟! فقال الله تعالى قل وإن أوتيت القرآن وأوتيتم التوراة فهي بالنسبة إلى كلمات الله تعالى قليلة، "اور کہا گیا ہے کہ: یہود

نے کہا: "تمہیں تو حکمت عطا کی گئی ہے، اور جسے حکمت دی جائے، یقیناً اُسے خیرِ کثیر (بہت بڑی بھلائی) دی گئی ہے، پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمہیں روح کے بارے میں کچھ علم نہیں؟!" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کہہ دو (اے محمد ﷺ): اگرچہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور تمہیں تورات دی گئی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا (یعنی قلیل) ہے"۔

یہ قرآنی آیت، اسی طرح جیسے پوری سورہ، ان سوالات کے جواب میں نازل ہوئی جو مدینہ کے یہودیوں نے قریش کے مشرکین کو دیے تھے تاکہ وہ رسولِ کریم ﷺ سے پوچھیں تاکہ یہ تصدیق ہوسکے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ وہ سوالات ان چند نوجوانوں کے بارے میں تھے جو پہلے زمانے میں کہیں چلے گئے تھے، ان کا کیا ماجرا تھا؟ کیونکہ ان کا واقعہ عجیب و غریب تھا اور وہ "اصحابِ کہف" تھے۔ دوسرا سوال ایک ایسا شخص جو دنیا کے مشرق و مغرب تک جا پہنچا، اس کا کیا قصہ ہے؟ اور وہ "ذوالقرنین" تھا۔ اور اگلا سوال روح کے بارے میں تھا، کہ وہ کیا ہے؟ تو پہلے دو سوالات کے جوابات سورۃ الکہف میں نازل ہوئے، جب کہ تیسرے سوال کا جواب سورۃ الاسراء میں نازل ہوا۔ شریعت کا اصول ہے: والعبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب "عبارت کا اعتبار الفاظ کی عمومیت سے ہوتا ہے، نہ کہ سببِ نزول کی خصوصیت سے"۔ چنانچہ، "اس آیتِ قرآنی کا موضوع اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت ہے"۔

ابن عاشور رحمہ اللہ اس سورۃ مبارکہ (سورۃ الِاسراء) میں اس آیت اور اس سے پہلے آنے والی آیات کے باہمی ربط کے بارے میں فرماتے ہیں:لما ابتدئت هذه السورة بالتنويه بشأن القرآن ثم أفيض فيها من أفانين الإرشاد والإنذار والوعد والوعيد، وذكر فيها من أحسن القصص ما فيه عبرة وموعظة، وما هو خفيٌّ من أحوال الأمم؛ حُوّلَ الكلامُ إلى الإيذان بأنّ كل ذلك قليل من عظيم علم الله تعالى. فهذا استئناف ابتدائي وهو انتقال إلى التنويه بعلم الله تعالى مفيض العلم على رسوله صلى الله عليه وآله وسلم لأن المشركين لما سألوه عن أشياء يظنونها مفحمة للرسول وأنْ لا قِبَلَ له بعلمها؛ علَّمه اللهُ إياها، وأخبرَ عنها أصدقَ خبر، وبيّنها بأقصى ما تقبله أفهامهم وبما يقصر عنه علم الذين أغروا المشركين بالسؤال عنها، وكان آخرها خبر ذي القرنين، أتبع ذلك بما يُعْلَمُ منه سعةُ علم الله تعالى، وسعةُ ما يجري على وَفْقِ علمه من الوحي إذا أراد إبلاغَ بعض ما في علمه إلى أحد من رسله. وفي هذا رد عجز السورة على صدره "یہ سورہ (سورۃ الِاسراء) قرآن کی اہمیت کے بیان سے شروع ہوئی، پھر اس میں مختلف اقسام کی ہدایت، تنبیہ، وعدے اور وعیدیں بیان کی گئیں، اور اس میں بہترین قصے بیان کیے گئے جن میں نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں، نیز ان قوموں کے حالات بھی ذکر کیے گئے جو لوگوں سے مخفی تھے۔ پھر کلام کا رخ موڑ کر یہ بتانے کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عظیم علم کا

صرف تھوڑا سا حصہ ہے۔ یہ آیت ایک آغازِ نو ہے، اور تغیراتی انداز میں اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کو نمایاں کرتی ہے، اُس ذات کا علم جس نے اپنے رسول ﷺ پر علم نازل فرمایا۔ کیونکہ جب مشرکین نے آپ ﷺ سے ان باتوں کے متعلق سوالات کیے جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ آپ ﷺ کو حیران و پریشان کر دیں گی، اور آپ ﷺ ان کا علم نہیں رکھتے ہوں گے۔ تاہم، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان امور کا علم عطا فرمایا، اور ان کے بارے میں سب سے سچی باتوں سے آگاہ کیا، اور انہیں سب سے جامع انداز میں واضح کیا، ایسا انداز کہ سامعین کی عقل و فہم اسے قبول کر سکے، اور ان لوگوں کے علم سے کہیں بڑھ کر ہو، جنہوں نے مشرکین کو ان سوالات کے ذریعے آزمانے پر اُکسایا تھا۔ ان سوالات میں سب سے آخری سوال ذوالقرنین کے قصے کے بارے میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ بات ذکر فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کا علم کس قدر وسیع ہے، چنانچہ، یہ سب کچھ اُس کے علم کے دائرے سے نازل کردہ امور میں سے ہے، جنہیں اگر وہ چاہے تو اپنے کسی رسول (علیہ السلام) کو عطا کر دے۔ اور یہی اس سورہ کے آغاز میں کیے گئے سوال کا مؤخر جواب ہے"۔

عربی لغت کا اصول ہے، "ردّ العجز على الصدر" "شروع کے بیان کا موخر الذکر جواب"، یہ لغویاتی اظہار کے فنون میں سے ایک فن ہے، جس میں سورہ کے آخر کو اس کے آغاز سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ اس آیت کا موضوع اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہے، ایسا علم جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، مطلق اور لا محدود ہے۔ یہ آیت مبارکہ فعلِ امر "قُلْ" (کہہ دو) سے شروع ہوتی ہے، جو کہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، اور اس میں اس بات کا تاکیدی اظہار ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔ پھر آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے، یعنی وہ سیاہی جو کلماتِ الٰہی کو لکھنے کے لیے استعمال ہو، تو وہ سیاہی تو ختم ہو جائے گی، لیکن اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر ایسا ایک اور سمندر اس کے برابر مقدار و وزن میں لا کر شامل کر دیا جائے، وہ بھی ختم ہو جائے گا، مگر اللہ کے کلمات پھر بھی ختم نہ ہوں گے۔ آیت میں 'اللہ کے کلمات کو لکھنے کے لیے سیاہی' کا جملہ صراحتاً نہیں کہا گیا، بلکہ اسے حذف کر کے کلام کو مزید پر اثر اور بلیغ بنایا گیا ہے۔

اور شیخ الشعراوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ، هي (كن) وكلّ مرادات الله في كونه، ما علمنا منه وما سنعلم، وما لم نعلم إلا حين تقوم الساعة "اللہ کے کلمات سے مراد وہ فرمان "ہو جا" (کُن) ہے، جو اللہ تعالیٰ

نے اپنی مخلوق کے بارے میں ارادہ فرمایا۔ یہ کلمات ان تمام چیزوں پر محیط ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں، جو ہم آئندہ جانیں گے، اور وہ بھی جنہیں ہم اس وقت تک نہیں جان پائیں گے جب تک کہ وہ گھڑی قائم نہ ہو جائے"۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کا اپنا منفرد علم "لوحِ محفوظ" میں ثبت فرمادیا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد میں آیا ہے: ﴿**أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ**﴾ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے ؟ بے شک یہ سب ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے"۔(سورۃ الحج:70)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح بتلادیا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسے جانتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ اُس کا یہ علم ایک کتاب میں محفوظ ہے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے۔ سبحان اللہ! ترمذی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «**إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ فَجَرَى بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الأَبَدِ**» "بیشک سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم تھا، پھر اللہ نے اُس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو ہمیشہ ہونے والا ہے"۔(ترمذی)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا مطلق علم تو صرف آسمانوں اور زمین کے علم سے بھی کہیں زیادہ عظیم اور جامع ہے۔ اور اللہ کے کلمات، جو اُس کے اِس مطلق علم کا اظہار ہیں، اگر اُنہیں لکھا جائے تو زمین کے سارے سمندر بھی اگر سیاہی بن جائیں، تو وہ کافی نہ ہوں گے۔ اس حقیقت کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے: ﴿**وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ**﴾ "روئے زمین کے (تمام) درخت اگر قلم بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی بن جائے اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے، بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے"۔(سورۃ لقمان:27)

جب سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس زمین کو تخلیق کیا، تب سے لے کر اگر زمین کے تمام درخت بھی لکھنے کے لئے قلم بن جائیں، اور سمندر اُس کی سیاہی ہو، اور اس کے بعد اس کے ساتھ مزید سات سمندر ملا دیے جائیں، تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، جبکہ وہ سیاہی ختم ہو جائے گی۔ یقیناً اللہ، عزوجل، کا علم ایسا ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، اور کوئی بھی اُس

کی حدود کو نہیں پا سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ "اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے"۔ (سورۃ البقرۃ: 2:255)

جہاں تک دوسری آیت کی بات ہے، تو امام طبریؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ قُلْ لِهَؤُلَاءِ الْمُشْرِكِينَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ مِنْ بَنِي آدَمَ لَا عِلْمَ لِي إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ يُوحِي إِلَيَّ أَنَّ مَعْبُودَكُمْ الَّذِي يَجِبُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، مَعْبُودٌ وَاحِدٌ لَا ثَانِيَ لَهُ، وَلَا شَرِيكَ، فَمَنْ يَخَافُ رَبَّهُ يَوْمَ لِقَائِهِ، وَيُرَاقِبُهُ عَلَى مَعَاصِيهِ، وَيَرْجُو ثَوَابَهُ عَلَى طَاعَتِهِ؛ فَلْيُخْلِصْ لَهُ الْعِبَادَةَ، وَلْيُفْرِدْ لَهُ الرُّبُوبِيَّةَ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان مشرکوں سے کہہ دو اے محمد (ﷺ): ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "بے شک میں تم جیسا ہی ایک بشر ہوں" (سورۃ الکہف: 110) یعنی بنی آدم میں سے ہوں، میرا علم صرف وہی ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے۔ اللہ نے مجھ پر وحی کیا ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے، وہ واحد ہے، اس کا کوئی دوسرا نہیں، نہ کوئی شریک۔ پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کے دن کا خوف رکھتا ہے، اور اپنے گناہوں سے بچتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اس کے اجر کی امید رکھتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کرے، اور اس کی ربوبیت کو خالص طور پر اُسی کے لیے مخصوص رکھے"۔

یہ قرآنی آیت اسی فعل سے شروع ہوتی ہے جیسے پچھلی آیت، یعنی حکم کے صیغے میں "کہہ دو!" — یہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا گیا، اور آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ فرما دیں، ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "بے شک میں تم جیسا ہی ایک آدمی ہوں" (سورۃ الکہف: 110)۔ یہ حکم قرآن مجید میں بارہا دہرایا گیا ہے تاکہ رسول ﷺ کے بشر ہونے اور آپ سے پہلے تمام رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کے بشر ہونے کو واضح کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ﴾ "اور ہم نے آپ سے پہلے صرف ایسے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے" (سورۃ النحل: 43)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی طرف انہی کی جنس میں سے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو رسول بنا کر نہیں بھیج دیا، جیسا کہ کفار نے کئی مرتبہ مطالبہ کیا تھا، جیسا کہ قرآن کے کئی مقامات پر ذکر موجود ہے۔ اگر زمین پر فرشتے بس رہے ہوتے، اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف رسول بھیجنا چاہتا، تو وہ ضرور فرشتوں ہی میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا﴾ "کہہ دو اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے

تو ہم آسمان سے ان پر فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجتے" (سورۃ الاسراء:95)۔ اور شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ رسول (علیہ السلام) کو بھی وہی کام سونپا جائے جو ان لوگوں کو سونپا گیا ہے جن کی طرف وہ بھیجے گئے، تاکہ رسول (علیہ السلام) اپنی قوم کے لیے نمونہ اور اسوہ بن جائے، اور اللہ تعالیٰ کا پیغام اپنی قوم تک قول و عمل دونوں کے ذریعے پہنچائے۔ اور قرآنِ کریم نے اس نکتے کو ان الفاظ میں واضح فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ "بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے" (سورۃ الاحزاب:21)

اور آیت نے رسول کی ذمہ داری کو واضح کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وحی کے پہنچانے والے ہیں، اور سب سے پہلا پیغام جو رسول کی طرف وحی کیا گیا، وہ یہ ہے کہ ہمارا معبود ایک ہی ہے۔ اور یہی پیغام تمام انبیاء اور رسول لے کر آئے؛ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید کی دعوت دینا اور صرف اسی کی عبادت کے لیے لوگوں کو بلانا۔ اور قرآنِ کریم میں کئی بار رسول کی ذمہ داری کو "صاف طور پر پیغام پہنچانا" قرار دیا گیا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ "اور رسول کے ذمے تو صرف صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے"۔ (سورۃ النور:54)

اور رسول ﷺ کی لوگوں کو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کی دعوت دینا انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور عقل کو قائل کرنے والی بات ہے۔ یہ انسان میں پائی جانے والی جبلّتِ تدین سے ہم آہنگ ہے، جو اسے اس کی فطری کمزوری، خامی، محدودیت اور ضرورت کا احساس دلاتی ہے، اور یہ احساس صرف اسی وقت مکمل طور پر مطمئن ہوتا ہے جب وہ خالق، مدبّر اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اور انسان کی عقل بھی قائل ہوتی ہے کیونکہ اس کے حواس خود اس کی اور اس کے اردگرد کی چیزوں کی حاجت و احتیاج کو ایک خالق و مدبّر کا محتاج دیکھتے ہیں۔ یہ زبردست تخلیق اور وہ حیرت انگیز نظام، جس پر یہ کائنات انسان کے اردگرد کی ہر چھوٹی بڑی چیز کے ساتھ چل رہی ہے، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کوئی خالق ضرور ہو، اور ایسا ناظم و منتظم ہو جس کے تابع یہ کائنات ہے۔ پس رسولوں کی دعوت، جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور صرف اسی کی عبادت کی طرف بلاتی ہے، عقل کو قائل کرنے والی اور فطرت کے عین مطابق ہے، جو انسان کے دل و دماغ کو ایمان، اطمینان اور رضا سے بھر دیتی ہے۔

جہاں تک دوسری آیت کے آخری حصے کا تعلق ہے، جو سورۃ کا اختتام بھی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا**﴾ ”پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے“۔(سورۃ الکھف:110)

یہ آیت کئی اہم معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ان میں سب سے پہلا مفہوم "آخرت پر یقین" ہے، جسے یہاں "رب سے ملاقات" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات قیامت کے دن ہی ہو گی۔ اور یہ ملاقات یومِ آخرت پر ایمان لانے کے تقاضوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو، جو قیامت کے دن مقدر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے محبوب بنا دیا ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَن أحَبَّ لِقاءَ اللَّهِ أحَبَّ اللَّهُ لِقاءَهُ ، ومَن كَرِهَ لِقاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقاءَهُ**» ”جو شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھے، اللہ بھی اُس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے، اللہ بھی اُس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے“۔(صحیح بخاری)

اور یہ (اللہ سے ملاقات کی محبت) رسول اللہ ﷺ کی دعا میں بھی شامل تھی، جیسا کہ طبرانی نے 'الأوسط' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ”میری جگہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان (یعنی آپ کے قریب) تھی، اور جب آپ سلام پھیرتے تو یہ دعا فرماتے: «**اللَّهمَّ اجعَلْ خيرَ عُمْري آخِرَه اللَّهمَّ اجعَلْ خواتيمَ عمَلي رِضوانَكَ اللَّهمَّ اجعَلْ خيرَ أيَّامي يومَ ألقاكَ**» ”اے اللہ! میری عمر کا بہترین حصہ اس کا آخری حصہ بنا، اے اللہ! میرے اعمال کے اختتام کو اپنی رضا بنا دے، اے اللہ! میرے دنوں کا سب سے بہترین دن وہ دن بنا جب میں تجھ سے ملاقات کروں“۔(طبرانی)

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت اور اُس سے اُمید وابستہ رکھنا، دو لازم و ملزوم چیزوں کا تقاضا کرتی ہے: پہلی، نیک اعمال؛ اور دوسری، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ رہی بات نیک اعمال کی، تو وہ وہی ہیں جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے، اور ہر نیک عمل کی وضاحت کرنا ہی انبیاء اور رسولوں کی دعوت ہے۔ جیسا کہ النسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**إنَّهُ لمْ يكنْ نَبِيٌّ قَبلي إلاَّ كان حَقًّا عليهِ أنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ على ما يَعْلَمُهُ خيرًا لهُمْ ويُنْذِرَهُمْ ما يَعْلَمُهُ شَرًّا لهُمْ**» ”میرے

سے پہلے کوئی نبی ایسا نہ گزرا جس پر یہ لازم نہ ہو کہ وہ اپنی امت کو ان باتوں کی رہنمائی کرے جنہیں وہ ان کے لیے خیر (بھلائی) جانتا ہے، اور ان چیزوں سے ڈرائے جنہیں وہ ان کے لیے شر (برائی) جانتا ہے"۔(سنن ابن ماجہ)

چنانچہ نیک اعمال کا تعیّن انسان کے سپرد نہیں کیا گیا، کیونکہ انسان کا فیصلے کا پیمانہ اشیاء اور افعال کے بارے میں اختلاف، تضاد، ناپائیداری اور ماحول کے اثرات کا شکار ہوتا ہے۔ وہ جس چیز کو پسند کرتا ہے، یا جس سے اسے فائدہ محسوس ہوتا ہے، اُسے "اچھا" قرار دے دیتا ہے۔ اور جس چیز کو ناپسند کرے یا جس سے نقصان پہنچے، اُسے اپنے لئے "برائی" گردانتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان انسانی پیمانوں کی غلطی کو اس وقت واضح کیا جب قتال (جہاد) کو فرض کیا، چنانچہ فرمایا: ﴿**كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ**﴾ "(ایمان والو!) تم پر قتال (جہاد) فرض کیا گیا ہے گرچہ وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے شر ہو اور اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے"(سورۃ البقرۃ:2:216)۔

پس نیک عمل کی اصل تعریف وہ ہے جو انبیاء اور رسول (علیہم السلام) لے کر آئے تاکہ وہ اسے بیان کریں اور واضح کریں۔ ہمارے آقا محمد ﷺ کی بعثت کے بعد، نیک عمل کی تعریف اس بات پر منحصر ہو گئی کہ محمد ﷺ کیا لے کر آئے، کیونکہ آپ ﷺ کی رسالت نے سابقہ تمام رسالتوں کو منسوخ کر دیا۔ اس آیت کا آخری حکم، جو اس بابرکت سورہ کا اختتام ہے، یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف اللہ ہی کی عبادت کرنی ہے، لیکن صرف رسمی عبادات تک محدود ہو کر نہیں۔ مراد یہ ہے کہ عبادت مکمل اور عمومی اطاعت ہو، ایسی اطاعت جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہو، نہ کہ وہ محدود عبادت جس کا تعلق صرف بندے اور اس کے رب کے درمیان ہوتا ہے۔ الطبرانی نے "الکبیر" میں، اور امام ترمذی و امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں روایت کیا ہے کہ عدی بن حاتم، جو ایک نصرانی تھے، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو قرآن کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، ﴿**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ**﴾ "انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے"(سورۃ التوبہ:31)

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: "تو میں نے (نبی ﷺ سے) عرض کیا: ہم تو اُن (علماء اور راہبوں) کی عبادت نہیں کرتے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **«أليسَ يحرمونَ ما أحلَّ اللهُ فتحرِّمونَه، ويحلُّونَ ما حرَّمَ اللهُ فتحلُّونَه»** "کیا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں کرتے، تو تم بھی اُنہیں حرام قرار دے دیتے ہو؟ اور کیا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال نہیں کرتے، تو تم بھی اُنہیں حلال مان لیتے ہو؟" عدی نے کہا: "جی ہاں، (ایسا ہوتا ہے)!" تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«فتلك عبادتُهم»** "بس یہی ان کی عبادت کرنا ہے"۔

پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مطلب ہے صرف اسی کو معبود ماننا، اسی کو حلال مقرر کرنے اور حرام مقرر کرنے کا اختیار دینا، اور ہر اُس بات میں اس کی مطلق اطاعت کرنا جو اُس نے حکم دیا یا جس سے منع فرمایا۔

صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ مومن بندہ اپنے عمل میں خالص اخلاص رکھے، یعنی عبادت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہو، اور اس میں ریاکاری یا دکھاوے (ریا) کا شائبہ تک نہ ہو۔ مسلم نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن جُندبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَن يُسَمِّعْ يُسَمِّعِ اللَّهُ به، ومَن يُرائِي يُرائِي اللَّهُ بهِ» "جو شخص (اپنے اعمال کو) ظاہر کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اسے (لوگوں پر) ظاہر کر دے گا، اور جو ریاکاری کرے، اللہ اسے (اس کی ریاکاری سمیت) لوگوں پر آشکار کر دے گا"۔ اسی طرح مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ» "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں سب سے بے نیاز ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک ٹھہرایا، تو میں اسے اور اس کے شریک کیے گئے کو ترک کر دوں گا"۔ (یہ حدیث قدسی مسلم میں ہے)

لہٰذا، جو کوئی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہو اور اُس سے ملنے کی امید رکھتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ صرف اُسی کو رب، خالق اور نظام چلانے والا تسلیم کرے۔ وہ صرف اُسی سے مدد طلب کرے، صرف اُسی پر توکل (بھروسا) کرے، اور صرف اُسی سے امید وابستہ رکھے۔ اُسے چاہیے کہ وہ نیک اعمال کا التزام کرے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یعنی وہ اپنی دنیاوی زندگی میں حلال وحرام کو ہی اپنے فیصلوں کا معیار بنائے۔

ہم اپنے بیان کا اختتام سورۃ الکہف کی آخری آیت کے دوسرے حصے میں موجود ایک نہایت اہم نکتے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کرتے ہیں۔ یہ نکتہ انسان کے اندر پائی جانے والی سب سے بڑے عقدۃ الکبریٰ کا درست اور مکمل حل پیش کرتا ہے۔ اس سورہ کی آخری آیت نے فطرتِ تدین سے جُڑے تین بنیادی سوالات کے جوابات دے دیے ہیں: یہ سوالات یہ ہیں۔ میں کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اور آخر کار مجھے کہاں جانا ہے؟ تو ان کے جوابات یہ ہیں: اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق ہے، وہی ہمارا رب اور ہمارے اور کائنات کے تمام امور کو منظم کرنے والا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی عبادت کرنے، اپنے احکامات کی پیروی کرنے، اور حرام کردہ امور سے بچتے رہنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور آخر کار ہمیں اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے، قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے، جہاں جزا و سزا کا فیصلہ ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے، اور ہمیں اُن لوگوں میں سے بنائے جو اُس سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں اور اُسے محبوب رکھتے ہیں، تاکہ ہم اُس کی رضا اور جنت کے حقدار بن سکیں۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ایسا بابرکت معاملہ طے فرمائے جس میں اس کے فرمانبردار بندے عزت پائیں اور نافرمان ذلیل و خوار ہوں۔

فہرست

# ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے اپنائے گئے موٴقف، حق پر ثابت قدم رہنے اور حق کو علی الاعلان بیان کرنے والے ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ رہیں گے

ماهر الدبعي—یمن

## آپ رضی اللہ عنہ کا نام، عربی لقب، اور آپؓ کی صفات:

ابو بکر الصدیق عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر التیمی القرشی (50 ق.ھ - 13ھ / 573م - 634م)۔ ابو بکرؓ کو متعدد القابات سے نوازا گیا، جن میں الصِّديق، الصاحب، العتيق، الأتقى، الأوَّاه شامل ہیں۔ ہر لقب ایک ایسی کہانی سے جُڑا ہوا ہے جو ابو بکرؓ کی نیکی، اخلاص، اور فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم، لقب "الصدیق" (یعنی "سچائی کی تصدیق کرنے والا") ان کے ساتھ خاص طور پر جُڑ گیا، کیونکہ یہ لقب اس وقت سامنے آیا جب اہلِ مکہ، جو بت پرست تھے، وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کے انکار اور مخالفت میں مصروف تھے۔ اس موقع پر ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حق پر ہونے کی بھرپور تصدیق کی، جس کی بنا پر انہیں "الصدیق" کہا گیا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل کے دور میں ہی کئی نمایاں صفات کی وجہ سے مشہور تھے، جن میں عربوں کا شجرۂ نسب کا علم اور عرب کی تاریخ کا علم ہونا سر فہرست ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **«فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ أَعْلَمُ قُرَيْشٍ بِأَنْسَابِهَا»** "قریش کے نسب کو سب سے بہتر جاننے والے ابو بکر ہیں"۔ ( صحیح مسلم)

ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ خوش اخلاق، دیانت دار اور نیک نام تاجر تھے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس مختلف وجوہات کی بنا پر آتے تھے، ان کے علم، ان کی تجارت، اور ان کی بہترین صحبت کی بنا پر دوستی کرتے تھے"۔ ان کا سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ بعض نے ان کے بارے میں کہا کہ مکہ کے لوگ ان کے ساتھ بیٹھنے کو پسند کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ نہایت خوش گفتار، ذہین، بردبار، نرم مزاج، سخی، صادق، منکسر المزاج، خوددار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبل اسلام (زمانۂ جاہلیت) کے ان افعال میں کبھی حصہ نہ لیا، جن میں لوگ مبتلا تھے، جیسے کہ بتوں کو سجدہ کرنا، شراب نوشی کرنا، اور غربت کے خوف سے اولاد کو قتل کر دینا۔ وہ اپنی قوم کی مجالس میں بھی شریک نہ ہوا کرتے تھے سوائے اس کے کہ اگر وہ مجالس صرف اچھے اخلاق اور اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر ہوتیں۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات بہادری کے کارناموں سے بھرپور اور ایمان کی خوشبو سے معطر ہے۔ ان کی شخصیت قابلِ تعریف صفات سے گھری ہوئی اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ تھی۔ وہ ایمان لانے والے سب سے پہلے شخص تھے، اور سب سے پہلے دعوتِ دین دینے والے بھی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا، اور دین کی سربلندی کے لئے مال خرچ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اذیت برداشت کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھی، آپ ﷺ کے سفر کے ہمراہ، آپ ﷺ کے احوال کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے، آپ ﷺ کے رازدار، اور آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب انسان تھے۔ انہوں نے مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ وہ اسلام کے پہلے خلیفہ، دین کے محافظ، عقیدہ اور شریعت کے احکام کا دفاع کرنے والے، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تدوین کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نہایت متقی، محبوب، بہادر، رحم دل، نرم خو، ثابت قدم، ذہین اور بصیرت رکھنے والے تھے۔ اگر ہم ان کی صفات کو مختصر طور پر بیان کریں، تو یوں کہیں گے کہ کوئی فضیلت یا قابلیت ایسی نہ تھی جس میں ان کا حصہ نہ ہو، اور نہ ہی کوئی نیک عمل ایسا تھا جس میں سبقت حاصل کرنے کی انہوں نے کوشش نہ کی ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ صَائِماً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، قَالَ ﷺ، فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، قَالَ ﷺ فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مِسْكِيناً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْه، أَنَا، قَالَ ﷺ، فَمَنْ عَادَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مَرِيضاً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِئٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»** "تم میں سے آج کس نے روزہ رکھا؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "آج تم میں سے کس نے جنازے کے ساتھ شرکت کی؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم میں سے کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم میں سے کس نے آج کسی مریض کی عیادت کی؟" ابو بکرؓ نے کہا: "میں نے"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص میں یہ تمام نیکیاں جمع ہو جائیں، وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گا"۔ (صحیح مسلم)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ مؤقف ہر مسلمان کے لئے ایک مشعلِ راہ کی مانند ہیں، جو اُسے حق پر ڈٹے رہنے اور اللہ کے کلمے کو ہر حال میں بلند کرنے کا حوصلہ دیتے ہیں، چاہے حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ مثالی کردار ہیں، جن سے ہم صبر، تدبر، اور مشکل حالات میں حکمت سے قیادت کرنے کا سبق سیکھ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ دعا میں اخلاص، اور دینِ حق کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔

**ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اور اسلام میں ان کا سبقت لے جانا:**

جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قریبی دوست ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا جواب دینے میں ذرہ بھر بھی نہ تو کوئی ہچکچاہٹ دکھائی، نہ شک کیا، اور نہ ہی کسی تاخیر کا مظاہرہ کیا۔ وہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ ﷺ کو اس پر بہت خوشی ہوئی۔ ابن کثیرؒ کے مطابق، الحافظ أبو الحسن الأطرابلسي نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے نکلے۔ وہ قبل اسلام کے دور سے ہی آپ ﷺ کے دوست تھے۔ جب ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کو ملے تو ابو بکرؓ نے کہا: "اے ابو القاسم! تم اپنی قوم کی مجالس سے غائب رہتے ہو۔ انہوں نے تم پر الزام لگایا ہے کہ تم نے ان کے باپ دادا اور ماؤں کی توہین کی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنِّي رَسُولُ اللهِ أَدْعُوكَ إِلَى اللهِ»** "بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اور تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔ ابھی آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ سے جدا ہوئے، تو دونوں شخصیات میں سے آپ ﷺ سے زیادہ خوش کوئی نہ تھا جسے ابو بکرؓ کے اسلام میں داخل ہونے کی خوشی ہوئی ہو"۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو بکرؓ کے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: **«مَا دَعَوْتُ أَحَداً إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا كَانَتْ عِنْدَهُ كَبْوَةٌ وَتَرَدُّدٌ وَنَظَرٌ، إِلَّا أَبَا بَكْرٍ، مَا عَكَمَ مِنْهُ حِينَ ذَكَرْتُهُ وَمَا تَرَدَّدَ فِيهِ»** "میں نے جب بھی کسی کو اسلام کی دعوت دی، تو اس میں کچھ نہ کچھ ہچکچاہٹ، تذبذب یا سوچ بچار ضرور ہوتی تھی، سوائے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے۔ جب میں نے ان کے سامنے اسلام کا ذکر کیا، تو انہوں نے (اسلام قبول کرنے

کے اپنے فیصلہ میں) نہ کوئی 'عکم' (ہچکچاہٹ) کیا اور نہ ہی کوئی تامل کیا"۔ یہاں "عکم" کا مطلب تاخیر، مؤخر کرنا یا کسی چیز کو ٹالنا ہے، جیسا کہ ابن ہشامؒ نے بیان کیا ہے۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي؟ إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً، فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ»** "کیا تم لوگ میرے لئے میرے ساتھی ابو بکر کو چھوڑ دو گے؟ کیا تم لوگ میرے لئے میرے ساتھی کو چھوڑ دو گے؟ جب میں نے کہا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو تم لوگوں نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، جبکہ ابو بکرؓ اکیلے وہ تھے جنہوں نے کہا: آپؐ نے سچ کہا"۔ (صحیح بخاری)

اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کو کرۂ ارض پر موجود تمام انسانوں کے ایمان کے ساتھ پلڑے میں ڈالا جائے، تو ابو بکرؓ کا ایمان وزن میں بھاری ہو گا۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: **«رَأَيْتُ آنِفاً كَأَنِّي أُعْطِيتُ الْمَقَالِيدَ وَالْمَوَازِينَ، فَأَمَّا الْمَقَالِيدُ فَهَذِهِ الْمَفَاتِيحُ، وَأَمَّا الْمَوَازِينُ فَهِيَ الَّتِي تَزِنُونَ بِهَا، فَوُضِعْتُ فِي كِفَّةٍ وَوُضِعَتْ أُمَّتِي فِي كِفَّةٍ فَرَجَحْتُ بِهِمْ، ثُمَّ جِيءَ بِأَبِي بَكْرٍ فَرَجَحَ، ثُمَّ جِيءَ بِعُمَرَ فَرَجَحَ، ثُمَّ جِيءَ بِعُثْمَانَ فَرَجَحَ، ثُمَّ رُفِعَتْ، قَالَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ، فَأَيْنَ نَحْنُ؟ قَالَ، حَيْثُ جَعَلْتُمْ أَنْفُسَكُمْ»** "میں نے (خواب میں) دیکھا کہ مجھے چابیاں اور ترازو دیے گئے۔ جہاں تک چابیوں کا تعلق ہے، وہ اختیارات کی علامت ہیں، اور ترازو وہ ہے جس سے وزن کیا جاتا ہے۔ پھر مجھے ایک پلڑے میں رکھا گیا، اور میری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا، تو میں اپنی امت پر بھاری ثابت ہوا۔ پھر ابو بکرؓ کو لایا گیا، تو وہ بھی امت پر بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ کو لایا گیا، وہ بھی امت پر بھاری ہوئے۔ پھر عثمان کو لایا گیا، وہ بھی بھاری ہوئے۔ پھر ترازو اٹھالی گئی۔ ایک آدمی نے (یہ سن کر) کہا: تو پھر ہم کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تم نے اپنے آپ کو رکھا (وہیں تم ہو)"۔ (ابن شیبہ، اور طبرانی)

## ابو بکر صدیقؓ کا اسلام کی دعوت دینا اور اسلام کے بارے میں ان کا موقف:

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلامی دعوت کے ایک منفرد حامی تھے، جو کہ ان کے بہت سے اعمال اور ان کے مؤقف سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابو بکرؓ نے اللہ سبحانہ وتعالی کی راہ میں دعوت دی اور ان کی دعوت کے نتیجے میں کئی جلیل القدر صحابہؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جن میں الزبیر بن عوامؓ، عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ،

عثمان بن مظعونؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور ارقم بن ابی الارقمؓ شامل ہیں۔ ابو بکرؓ نے اپنے گھر والوں کو بھی اسلام کی دعوت دی، چنانچہ ان کی بیٹیاں اسماءؓ اور عائشہؓ، ان کا بیٹا عبد اللہ، ان کی اہلیہ اُم رُمان، اور ان کے خادم عامر بن فهيرة نے اسلام قبول کیا۔

ابو بکر صدیقؓ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں اعلانیہ طور پر حق کی دعوت دینے اور اہل ایمان کے کتلة (تنظیم) کو منظم انداز میں سامنے لانے کا مشورہ دیا۔ ابن کثیرؒ نے البداية والنهاية میں ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ جمع ہوئے، اور ان کی تعداد اُس وقت 38 مردوں پر مشتمل تھی، تو ابو بکرؓ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اعلانیہ طور پر دین کی دعوت دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّا قَلِيلٌ»** ”اے ابو بکر! ہم ابھی تعداد میں کم ہیں“۔ لیکن ابو بکرؓ اصرار کرتے رہے، یہاں تک رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں آئے اور مسلمان اپنے قبیلہ کے مطابق کعبہ کے مختلف کونوں میں پھیل گئے۔ ابو بکرؓ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطاب کیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ ابھی تشریف فرما تھے۔ چنانچہ وہ اسلام کی دعوت کو اعلانیہ پیش کرنے والے پہلے خطیب بنے۔ اس پر مشرکین مکہ نے ابو بکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اور ابو بکرؓ کو سختی سے مارا پیٹا گیا اور پاؤں تلے روند ڈالا گیا۔ عتبہ بن ربیعہ، ابو بکر صدیقؓ کے قریب آیا اور اس نے چمڑے کے دو جوتوں سے انہیں مارنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ وہ جوتے سے اُن کے چہرے پر مارتا رہا۔ پھر وہ ابو بکرؓ کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اتنی شدت سے ان کے چہرے پر مارا کہ چہرہ بگڑ گیا حتیٰ کہ چہرے اور ناک سے ان کو پہچاننا مشکل تھا۔ جب بنو تیم (ابو بکرؓ کا قبیلہ) کو اس کی خبر ہوئی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے، جس پر مشرکین ابو بکرؓ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بنو تیم نے ابو بکرؓ کو ایک چادر میں لپیٹا اور انہیں ان کے گھر لے آئے، اور ان کے بارے میں انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان کی موت قریب ہے۔ پھر بنو تیم واپس مسجد الحرام آئے اور قسم کھا کر کہا: ”اللہ کی قسم! اگر ابو بکر انتقال کر گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے“۔ پھر وہ ابو بکرؓ کے پاس واپس آئے، ان کے والد ابو قحافہ اور قبیلہ بنو تیم اس وقت تک ان سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے دن کے آخر میں ہوش میں آکر بولنا شروع کر دیا۔ ان کی زبان سے سب سے پہلا سوال یہ نکلا: ”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“ اس پر لوگوں نے انہیں سخت ملامت کی اور زبان سے برا بھلا کہا، اور ان کی والدہ اُمّ الخیر سے کہا: ”ان کو کچھ کھلاؤ یا پانی پلاؤ“۔ جب ابو بکرؓ اور ان کی والدہ اُمّ الخیر اکیلے ہوئے تو اُن کی والدہ نے اُنہیں ملامت کی، جبکہ وہ مسلسل یہی پوچھتے رہے: ”رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟“ تو اُن کی والدہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! مجھے تمہارے ساتھی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں“۔ اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا: ”آپ جائیں، أم جميل بنت خطاب کے پاس

جائیں اور اُن سے نبی ﷺ کے بارے میں پوچھیں"۔ چنانچہ وہ باہر نکلیں یہاں تک کہ أم جمیل کے پاس پہنچیں، جو اُس وقت اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔ اُمّ الخیر نے ان سے کہا: "ابو بکر تم سے محمد بن عبد اللہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں"۔ أم جمیل نے جواب دیا: "مجھے ابو بکر اور محمد بن عبد اللہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں؟" اُمّ الخیر نے کہا: "ہاں"۔ پھر أم جمیل اُن کے ساتھ چلیں، یہاں تک کہ ابو بکرؓ کے پاس پہنچیں، جو بے حس و حرکت پڑے تھے۔ اُمّ جمیل آگے بڑھیں اور بلند آواز سے رونے لگیں اور کہنے لگیں: "اللہ کی قسم! جن لوگوں نے تمہیں تکلیف دی ہے، وہ یقینی طور پر فاسق اور کافر لوگ ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے اُن سے انتقام لے گا"۔ ابو بکرؓ نے پوچھا: "پھر رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟" أم جمیل نے کہا: "یہ تمہاری والدہ سن رہی ہیں"۔ تو ابو بکرؓ نے ان کے بارے میں کہا: "میری والدہ کے بارے میں فکر نہ کرو"۔ أم جمیل نے کہا: "وہ ﷺ بخیر و عافیت ہیں"۔ ابو بکرؓ نے پوچھا: "وہ کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "وہ اس وقت دارِ ارقم میں ہیں"۔ اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں اُس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا، جب تک رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لوں"۔

چنانچہ وہ اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب تک کہ مجمع پر سکون نہ ہو گیا، پھر وہ حضرت ابو بکرؓ کو سہارا دے کر لے گئیں، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان پر جھکے اور ان کو بوسہ دیا، اور مسلمان بھی ان کے ساتھ آگے بڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حالت پر دکھ کا اظہار کیا۔ ابو بکرؓ نے کہا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی تکلیف نہیں، سوائے اُس ظلم کے جو اُس بدبخت نے میرے چہرے پر کیا۔ یہ اپنے بیٹے کے ساتھ نیک سلوک کرنے والی میری والدہ ہیں۔ آپ مبارک ہستی ہیں، پس انہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیں اور ان کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کریں، شاید اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپؐ کے ذریعے انہیں جہنم کی آگ سے نجات دے دے"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی، انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگی، اور وہ ایمان لے آئیں۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ کے اذیت دیئے جانے کا علم ہوا، جو امیہ ابن خلف کے غلام تھے، تو وہ اذیت دینے کی جگہ پر گئے، امیہ سے معاملات طے کئے، اور بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔ انہوں نے دیگر کئی مردوں اور عورتوں کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات کئے جو اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے

انہیں بھی خرید کر آزاد کیا، جن میں عامر بن فهيرة، اور أم عبيس (يا أم عميس)، اور زنيرة شامل ہیں۔ انہوں نے النهدية اور ان کی بیٹی کو بھی آزاد کیا، اور بني مؤمل کی ایک مسلمان لونڈی لبينة کو بھی خرید کر آزاد کیا۔

## ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت:

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی بننے کے شدید خواہشمند تھے اور انہوں نے اس کے لئے تیاری بھی کر رکھی تھی۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک مالدار شخص تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: **«لَا تَعْجَلْ، لَعَلَّ اللهَ يَجِدُ لَكَ صَاحِباً»** "جلدی نہ کرو، شاید اللہ تمہارے لئے ایک ساتھی مقرر فرمادے"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امید ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے خود اپنی ذات مراد لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے دو اونٹنیاں خریدیں اور انہیں اپنے گھر میں رکھا، اور اس سفر کی تیاری کے لئے ان کی خوب دیکھ بھال کی۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، تو آپ ﷺ نے کچھ بھی لئے بغیر اپنے گھر کو چھوڑا، حالانکہ لوگ آپ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہو چکے تھے، اور سیدھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر صبح یا شام کے وقت ضرور تشریف لایا کرتے تھے۔ جب وہ دن آیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، تاکہ وہ مکہ سے اپنی قوم کے درمیان سے نکل جائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے، ایسے وقت میں جس میں آپ ﷺ عام طور پر نہیں آیا کرتے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نہیں آتے، ضرور کوئی اہم معاملہ درپیش آیا ہے"۔ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا بستر آپ ﷺ کے لئے خالی کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، اور اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ گھر میں صرف میں اور میری بہن اسماء بنت ابی بکر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«أَخْرِجْ عَنِّي مَنْ عِنْدَكَ»** "ان لوگوں کو میرے پاس سے ہٹا دو جو تمہارے ساتھ ہیں"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری دونوں بیٹیاں ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا معاملہ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ وَالْهِجْرَةِ»** "اللہ تعالیٰ نے مجھے (مکہ سے) نکلنے اور

ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا میں (آپ کی) رفاقت میں ہوں گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: **«الصُّحْبَةَ»** "(ہاں،) تمہاری رفاقت میں"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم! اس دن سے پہلے میں نے کبھی کسی کو خوشی میں روتے نہیں دیکھا تھا، یہاں تک کہ میں نے ابو بکر کو اس دن خوشی سے روتے ہوئے دیکھا"۔ (حوالہ: البداية والنهاية، ابن كثير)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال، جو کہ اسماء بنت ابی بکرؓ کے بیان کے مطابق پانچ یا چھ ہزار تھا، لے لیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا مال اور جان، دونوں رسول اللہ ﷺ کے لئے قربان کر دیے، اور پوری احتیاط کے ساتھ اس بات کا خیال رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف یا مصیبت نہ پہنچے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: "عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں چند لوگ ایسے گفتگو کر رہے تھے گویا وہ عمر رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت دے رہے ہوں۔ جب یہ بات عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی، تو انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! ابو بکر کی ایک رات آلِ عمر سے بہتر ہے، اور ابو بکر کا ایک دن آلِ عمر سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کے وقت) غار ثور کی طرف روانہ ہوئے اور ابو بکر ان کے ہمراہ تھے۔ ابو بکر کبھی رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دیکھا تو ان سے پوچھا: **«يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا لَكَ تَمْشِي سَاعَةً بَيْنَ يَدَيَّ، وَسَاعَةً خَلْفِي؟»** "اے ابو بکر! کیا بات ہے کہ تم کبھی میرے آگے اور کبھی میرے پیچھے چلتے ہو؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! جب مجھے دشمن کے تعاقب کا خیال آتا ہے تو آپ کے پیچھے چلتا ہوں (تاکہ آپ پر حملہ نہ ہو)، اور جب مجھے تاک میں بیٹھنے والوں (یعنی گھات لگانے والوں) کا خطرہ یاد آتا ہے تو آپ کے آگے چلتا ہوں (تاکہ آپ کو بچا سکوں)"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«يَا أَبَا بَكْرٍ، لَوْ كَانَ شَيْءٌ لَأَحْبَبْتَ أَنْ يَكُونَ بِكَ دُونِي؟»** "اے ابو بکر! اگر کوئی مصیبت واقع ہونی ہو تو کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم پر آئے اور مجھ پر نہ آئے؟"، ابو بکرؓ نے کہا: "جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں ہر گز نہیں چاہتا کہ آپ کو کوئی بھی تکلیف پہنچے، بلکہ چاہتا ہوں کہ وہ مصیبت مجھ پر آ جائے اور آپ محفوظ رہیں"۔ جب وہ دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہاں ٹھہر جائیں یہاں تک کہ میں غار کو صاف کر لوں"۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے اور غار کو صاف کیا، اور جب اوپر پہنچے تو انہیں یاد آیا کہ انہوں نے ایک کونے کو صاف نہیں کیا۔ تو وہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ابھی یہاں ٹھہر جائیں، میں اس کونے کو بھی صاف کر لوں"۔ پھر وہ دوبارہ داخل ہوئے، صفائی کی، اور پھر کہا: "اب آ جائیے، اے اللہ کے رسول ﷺ"۔ تو

نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ رات آلِ عمر سے بہتر تھی"۔ (صحیح حدیث)

مشرکین نے نبی اکرم ﷺ کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ جبلِ ثور تک پہنچ گئے اور غار تک جا پہنچے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مدد سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت ہوئی اور وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔

ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں، "جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا، "اگر ان میں سے کوئی نیچے اپنے قدموں کی طرف ہی دیکھ لے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا"۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا، **«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا؟»** "اے ابو بکر! تمہارا ان دو افراد کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی (خود) اللہ ہے؟" (بخاری)۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں قرآنِ مجید میں وحی نازل فرمائی، جو روزِ قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**إِلاَّ تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُواْ السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**﴾ "اگر تم ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کی مدد فرما چکا ہے جب کافروں نے انہیں ان کے (وطن سے) نکال دیا تھا، جبکہ یہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی، اور ان لشکروں کے ساتھ اس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھے، اور اس نے کافروں کی بات کو نیچے کر دیا اور اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے"۔ (التوبہ: 9:40)

رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تین راتوں تک غار میں مقیم رہے، پھر جب ان کی تلاش کا زور کم ہوا تو وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔

## رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، آپ ﷺ کے معاون وزیر اور رسول اللہ ﷺ کے ترکش کا ایک تیر:

ابو بکر صدیقؓ نبی اکرم ﷺ کے سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہنے والے ساتھی تھے۔ وہ آپ ﷺ کے وزیر، مشیر، رفیق اور لوگوں میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کبھی کوئی ایک بھی غزوہ نہیں چھوڑا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر انہوں نے اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیا اور اپنے اہل و

عیال کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ ابو بکرؓ نے اللہ بزرگ و برتر کی رضا کی طلب میں خود کو بیچ دیا تھا۔ وہ نیکی کے کاموں میں سبقت لے جانے میں اس قدر آگے ہوتے تھے کہ ان کے ساتھی تھک جاتے اور یہ مان لیتے کہ وہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ابو بکرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ ﷺ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔

بخاری اور مسلم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: **«إنَّ عَبْداً خَيَّرَهُ اللهُ بيْنَ أنْ يُؤْتِيَهُ مِن زَهْرَةِ الدُّنْيا ما شاءَ، وبيْنَ ما عِنْدَهُ، فاخْتارَ ما عِنْدَهُ»** "اپنے ایک نیک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ دنیا کی نعمتوں میں سے جو وہ چاہے اسے اپنے لیے پسند کر لے یا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے (آخرت میں) اسے پسند کر لے۔ اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس ملنے والی چیز کو پسند کر لیا"۔ یہ سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور کہنے لگے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!" ہم لوگ ان کے رونے پر حیران ہوئے، اور لوگوں نے کہا: "اس بزرگ آدمی کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ہمیں ایک بندے کے بارے میں بتا رہے ہیں جسے دنیا کی نعمتوں اور اللہ کے پاس موجود چیزوں میں سے انتخاب دیا گیا، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ 'میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!'"، ابو سعیدؓ مزید فرماتے ہیں: "دراصل رسول اللہ ﷺ خود وہ بندے تھے جنہیں یہ اختیار دیا گیا تھا، اور ابو بکرؓ ہم سب میں سب سے بہتر طور پر اس بات کا مفہوم سمجھنے والے تھے"۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إنَّ مِن أمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ في صُحْبَتِهِ ومالِهِ أبا بَكْرٍ، ولو كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيلاً مِن أُمَّتي لاتَّخَذْتُ أبا بَكْرٍ، إلَّا خُلَّةَ الإسلام، لا يَبْقَيَنَّ في المَسْجِدِ خَوْخَةٌ إلَّا خَوْخَةُ أبِي بَكْرٍ»** "لوگوں میں سب سے زیادہ اپنی صحبت اور مال کے ذریعہ مجھ پر احسان کرنے والے ابو بکر ہیں۔ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بنا سکتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ ہمارا باہمی رشتہ اسلامی بھائی چارے کا ہے۔ مسجد النبوی میں کوئی خوخہ (دروازہ) اب کھلا ہوا باقی نہ رکھا جائے سوائے ابو بکر کے گھر کی طرف کھلنے والے دروازے کے"۔ (صحیح بخاری)۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ "الخوخة" ایک چھوٹا دروازہ یا کھڑکی نما راستہ ہوتا ہے جو دو گھروں کے درمیان بنایا جاتا ہے اور اس پر دروازہ نصب ہوتا ہے۔

## ابو بکر صدیقؓ مشکل صورتحال اور فیصلہ کن لمحات میں مردِ مؤمن تھے:

یہ ان کی زندگی کے کئی مواقع پر ظاہر ہوا، جن میں سب سے اہم موقع رسول اللہ ﷺ کے وصال کا تھا، جب انہوں نے انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح مرتدین اور زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف قتال کرنے پر ان کا اٹل فیصلہ بھی شامل ہے، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کا تحفظ ممکن ہوا اور دین اسلام اور اس کے شرعی احکام کی حفاظت ہوئی۔

## رسول اللہ ﷺ کا وصال:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت گہرا اثر ہوا، وہ شدید صدمے، حیرت اور اضطراب کی حالت میں تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو کچھ کہنے کی بھی ہمت نہ کر پا رہے تھے، کچھ ساکت ہو کر گر گئے اور اٹھنے کی ہمت نہ کر سکے، اور بعض تو رسول اللہ ﷺ کے انتقال کو ماننے پر ہی تیار نہ تھے۔ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر ملی اور وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: "رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور ابو بکرؓ سُنح کے علاقے میں تھے"۔ اس دوران عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!"، پھر عمر نے کہا، 'اللہ کی قسم! مجھے اس کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اللہ ضرور انہیں دوبارہ اٹھائے گا، اور وہ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے"۔

پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور نبی کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا، پھر انہیں بوسہ دیا اور کہا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ زندگی میں بھی بہترین تھے اور موت میں بھی بہترین ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھائے گا"۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر آئے اور کہا: "اے قسم کھانے والو! جلدی نہ کرو"۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: "جس نے محمد ﷺ کی عبادت کی ہو، تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو، تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حي القيوم ہے اور اسے کبھی موت نہیں آ سکتی"۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾ "یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مر جانے والے ہیں" (سورۃ الزمر: 30) اور یہ آیت بھی پڑھی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ

عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ﴾ ”اور محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وصال کر جائیں یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے ؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے تو ہر گز اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا“ (آل عمران؛3:144)، تو (یہ سن کر) لوگ زار و قطار رونے لگے۔

### سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت:

جونہی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر ملی، تو انصار اکٹھے ہوئے تاکہ سعد بن عبادہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے جانشین کے طور پر بیعت کریں۔ ابو بکرؓ، عمر بن خطابؓ اور ابو عبیدہؓ کو انصار کے اس اجتماع کی خبر ملی، تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ گئے تاکہ انصار کے فیصلے کو روکا جا سکے۔ انہوں نے انصار کے سامنے مہاجرینِ قریش اور ابو بکرؓ کی خلافت کے حق میں دلائل پیش کیے۔ چنانچہ سقیفہ میں موجود لوگوں نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور ابو بکرؓ نے مسلمانوں کا خلیفہ بننے پر حامی بھر لی تاکہ مسلمانوں کو متحد اور ان کے امور کو یکجا کیا جا سکے۔

ابو بکرؓ نے خلافت قبول کرتے وقت عاجزی کے ساتھ ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں کسی بھی دن یا رات امارت کا خواہشمند نہ تھا، نہ ہی میں کبھی اس کا طالب رہا، اور نہ ہی میں نے کبھی خفیہ یا اعلانیہ اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا۔ بلکہ میں تو اس آزمائش سے خوفزدہ تھا، میرے لیے اس امارت میں کوئی راحت نہیں ہے، بلکہ مجھ پر ایک عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے جس کے لئے میرے پاس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ میں ترجیح دیتا کہ لوگوں میں سے کوئی اور شخص، جو مجھ سے زیادہ قوی ہو، یہ منصبِ خلافت سنبھالے“۔ (اسے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی گئی بیعت دراصل رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے قیام کا اعلان تھی، اور اسی کے ساتھ خلیفہ کے تقرر کے طریقہ کار یعنی بیعتِ انعقاد اور یہ بیعت رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک سیاسی نظام یعنی خلافتِ راشدہ کے استحکام کا ذریعہ بنی۔ ابو بکر صدیقؓ نے بطور پہلے خلیفہ، اس ذمہ داری کو بڑی صلاحیت اور مہارت کے ساتھ نبھایا۔

## ابو بکر رضی اللہ عنہ، خليفة للمسلمين:

ابو بکرؓ کی خلافت دو سال اور تین ماہ پر محیط رہی۔ اگرچہ یہ مدت مختصر تھی، مگر یہ عظیم کارناموں اور اہم کاموں سے بھرپور تھی، جیسے کہ نظام حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، ارتداد اور بغاوت کا خاتمہ کرنا، اور فارس وروم کی سرزمینوں میں اسلامی دعوت کو پھیلانے کے لئے کام کرنا۔ یہ تمام کام ایک ہی وقت میں انجام دیے گئے، جن میں فتوحات اور اسلامی دعوت کی ترویج شامل تھی۔

## منصبِ خلافت سنبھالتے وقت ابو بکر صدیقؓ کا خطبہ:

منصبِ خلافت سنبھالتے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا گیا پہلا خطبہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد داخلی پالیسی اور رعایا و حکمران کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اس خطبہ میں خلیفہ کا رعایا پر حق اور رعایا کا خلیفہ پر حق بیان کیا گیا، اور خارجہ پالیسی کا بھی تعین کیا گیا جو جہاد کے ذریعے دعوت اسلام کے فروغ پر مبنی تھی۔ اگرچہ یہ خطبہ مختصر تھا، لیکن اس نے اسلامی ریاست کی بنیادوں اور اس کے طریقہ کار کو واضح انداز میں بیان کر دیا تھا۔

ابو بکرؓ نے فرمایا: "أما بعد! اے لوگو! مجھے تم پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں درست عمل کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔ حق ایک امانت ہے اور جھوٹ دغا ہے۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے واپس دلا دوں، إن شاء الله۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق واپس لے لوں، إن شاء الله۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اللہ انہیں مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں، میری اطاعت کرو۔ لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کرنا فرض نہیں۔ اپنی نمازوں کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے"۔ (ابن الأثير نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

## ریاست کے امور کا انتظام:

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ریاست کے امور کو بے مثال مہارت، پیشہ ورانہ صلاحیت اور بصیرت انگیزی کے ساتھ سنبھالا۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ والیوں کو نہ ہٹایا جائے۔ انہوں نے حکومتی ڈھانچے کو

اسی حالت میں برقرار رکھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا۔ انہوں نے اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں عسکری مہم کو مکمل کرنے پر اصرار کیا، حالانکہ اس وقت ریاست کو سنگین خطرات لاحق تھے۔ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں اور مرتدین کی بغاوتوں کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، جبکہ فوجیوں کی قلت کے باوجود، منفرد سیاسی حکمت عملی کے ذریعے ایک عظیم مدبر کا کردار ادا کیا۔

## اسامہ بن زیدؓ کی فوج اور ارتداد کی جنگیں:

جب صحابہؓ نے ابو بکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو ان کی حکومت کو کئی شدید چیلنجز کا سامنا تھا۔ مشکل ترین حالات کے باوجود، وہ اسلامی امت کی وحدت کو برقرار رکھنے اور ریاست کو مضبوط کرنے میں کامیاب رہے۔

## ارتداد کی جنگیں:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، کچھ عرب علاقوں میں بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے۔ تاہم، ابو بکر صدیقؓ نے اس ارتداد کے خلاف مضبوط موقف اختیار کیا اور مرتدین سے قتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ نہایت جراتمندانہ اور فیصلہ کن تھی، اور اس میں ابو بکرؓ نے دینِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی سچی وفاداری کا عملی ثبوت دیا۔

اس کے علاوہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا حکم بھی دیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف بھیجنے کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ انہوں نے حکم دیا: "مدینہ میں اسامہؓ کے لشکر کا کوئی بھی سپاہی نہ رکے، بلکہ سب جرف کے مقام پر لشکر گاہ میں پہنچیں" (البداية والنهاية)۔ بعض کُبّار صحابہ کرامؓ نے ابو بکرؓ سے اس لشکر کی روانگی پر اعتراض کیا اور اس کی بجائے اس لشکر کو ارتداد اور بغاوت سے نمٹنے کے لئے کہا۔ انہوں نے عرض کیا: "یہ لوگ مسلمانوں کی اکثریت ہیں، اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، عرب کے قبائل آپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں، لہٰذا آپ کے لئے مناسب نہیں کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو تقسیم کر دیں"۔ (البداية والنهاية)

اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں ابو بکر کی جان ہے، اگر مجھے یہ گمان بھی ہوتا کہ درندے مجھے دبوچ لے جائیں گے، تب بھی میں بالکل ویسے ہی اسامہ کا لشکر ضرور روانہ کرتا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ اور اگر تمام بستیوں میں میرے سوا کوئی نہ بچتا، تب بھی میں اسے ضرور روانہ کرتا!" (تاریخ الطبری)

ابو بکرؓ نے لشکر کو روانہ کیا اور اس کو ہدایات دیں۔ وہ لشکر رومیوں کی سرزمین تک پہنچا اور عظیم فتوحات حاصل کیں، جنہوں نے اسلامی ریاست کے وقار کو مضبوط کیا۔ ایسے نازک حالات میں فوج کی روانگی نے اسلامی ریاست میں موجود مرتدین اور بغاوت کرنے والوں کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا۔

ابو بکرؓ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت ان جید صحابہ کرامؓ کے اس اعتراض کو رَد کر دیا، کہ اُن لوگوں سے جنگ نہ کی جائے جو زکوٰۃ کو فرض مانتے تھے لیکن ریاست کو ادا کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ ابو بکرؓ ایک صاحبِ بصیرت اور وسعتِ فکر رکھنے والے شخص تھے، اس لئے انہوں نے منکرینِ زکوٰۃ کو ریاست کے خلاف بغاوت، نافرمانی اور دین کو کمزور کرنے کا ذریعہ سمجھا۔ انہوں نے اپنا مشہور قول ارشاد فرمایا: "کیا دین میں نقص آ جائے گا جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟!"، ابو بکرؓ نے یہ بھی فرمایا: **«وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا»** **"اللہ کی قسم! میں ضرور اُن لوگوں سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ زکوٰۃ مال میں سے شریعت کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے بکری کا ایک بچہ (عَنَاق) بھی دینے سے انکار کریں، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے اس پر بھی جنگ کروں گا"** (بخاری)۔ ایک اور روایت میں ابو بکرؓ نے فرمایا: **«وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالاً كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ»** **"اللہ کی قسم! اگر وہ ایک اونٹ کی رسی (عِقَال) بھی روک لیں، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اُس پر بھی اُن سے قتال کروں گا"**۔ جب عمرؓ نے یہ عزم دیکھا تو فرمایا: "اللہ کی قسم! جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کا سینہ قتال کے لئے کھول دیا ہے، تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی حق ہے"۔ (صحیح مسلم)

ابو بکر صدیقؓ مرتدین سے خود لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے اور فوج کی قیادت کے لئے باہر نکلے۔ صحابہ کرامؓ نے اُن سے عرض کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں تاکہ ریاست کے انتظامی امور کی نگرانی کریں، اور کسی اور کو لشکر کی قیادت سونپ دیں۔ چنانچہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی، اور عرض کیا: "اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ کو وہ بات کہوں جو رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے روز فرمایا تھا: **« شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك »** "اپنی تلوار کے ساتھ پیش قدمی کرو، لیکن ہمیں اپنی ذات کی جدائی کا دکھ نہ دو"، اللہ کی قسم! اگر ہمیں اس وقت آپ کا صدمہ جھیلنا پڑا تو آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی قائم نہیں رہ سکے گا!"، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ (البداية والنهاية، ابن كثير)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ ارتداد میں فتح عطا فرمائی، اگرچہ ان جنگوں میں بڑی تعداد میں صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تھے۔ ان شہداء میں وہ صحابہؓ بھی شامل تھے جو وحی کے کاتب تھے، جنہوں نے قرآنِ مجید کو حفظ کر رکھا تھا اور اس کی کئی آیات اور سورتیں لکھ رکھی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس اہم معاملے کو ابو بکرؓ کے دل میں ڈال دیا، تو انہوں نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ قرآنِ مجید کو جمع کریں، یعنی اس کے وہ حصے جو لکھے جا چکے تھے اور وہ بھی جو صحابہؓ نے حفظ کر رکھے تھے۔ زید بن ثابتؓ نے ابو بکرؓ کی زندگی میں ہی قرآنِ مجید کو ایک مصحف میں جمع کر لیا، جو ان کے نیک اعمال کا ایک بہت بڑا اجر تھا۔

## قرآن مجید کا جمع کیا جانا:

ابو بکر صدیقؓ ان اولین افراد میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنِ مجید کو جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ جنگوں میں ان حفاظِ قرآن کی شہادت کے باعث کہیں قرآن کے کچھ حصے ضائع نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے قرآنِ کریم کو ایک جلد میں جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی بنیاد رکھ دی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسے وقت میں ایمان، قربانی اور صداقت کی مثال تھے جب آزمائشیں پہلے سے کہیں زیادہ تھیں۔ انہوں نے وہ بلند کردار اور عظیم اقدام پیش کیے جن کی بدولت وہ امت کی تاریخ میں عظیم ترین خلیفہ قرار دیئے گئے، اور ان عظیم شخصیات میں سے ایک نمایاں شخصیت ہیں جن کا نام تاریخ میں عزت و شجاعت کے ساتھ درج ہوا ہے۔ ابو بکرؓ ایک ایسے صحابی کی روشن مثال تھے جو اسلام کی خاطر اپنی جان، مال اور وقت قربان کرنے میں ذرہ بھر بھی تردد نہیں کرتے تھے۔

## شام اور عراق کی جانب افواج کی روانگی:

ابو بکر صدیقؓ نے اس موقعے کو جانچ لیا کہ فارس اور روم باہمی تنازعات میں الجھے ہوئے ہیں، تو انہوں نے بیک وقت مشرق اور مغرب کی طرف فتوحات کے لئے لشکر روانہ کیے۔ انہوں نے خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ بن حارثہؓ کو فارس کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے فتح حاصل کی اور عراق کے کئی شہروں کو فتح کیا، جن میں انبار، دومۃ الجندل اور الفِراض شامل ہیں اور پھر الحِیرہ کو بھی فتح کر لیا۔ اسی طرح ابو بکرؓ نے روم کے علاقے یعنی شام کی طرف بھی لشکر بھیجے، جن کی قیادت یزید بن ابی سفیان،

عمرو بن العاص، اور شرحبیل بن حسنہ رضوان اللہ علیہم نے کی۔ مزید کمک کے طور پر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا گیا۔ ان افواج کا ہدف اردن، فلسطین، دمشق اور حمص جیسے علاقے تھے۔ یَرموک کی مشہور جنگ، مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پیش آئی، اور اس موقع پر خالد بن ولیدؓ نے بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے شمولیت اختیار کی۔ اسی جنگ کے دوران مسلمانوں کو خلیفۂ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

## خلافت کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام:

ابو بکر صدیقؓ نے اسلامی ریاست کو لاحق خطرے کو بھانپ لیا کیونکہ وہ بیک وقت دو بڑی طاقتوں، فارس اور روم کے خلاف جنگیں لڑ رہی تھی۔ اس شدید آزمائش کے وقت مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہونے سے روکنے کے لئے، اور صحابہ کرامؓ سے مشورے کے بعد، انہوں نے عمر بن خطابؓ کو اپنے بعد خلافت کے لئے تجویز فرمایا تاکہ ان کی وفات کے بعد مسلمان انہیں اطاعت کی بیعت دیں۔ انہوں نے اس فیصلے کے بارے میں ایک تحریری فرمان بھی جاری کیا اور اسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا، تاکہ وہ اس نازک مرحلے میں ریاست کے بارے میں اپنی فکر کا اظہار کر سکیں۔

## عمر رضی اللہ عنہ کو تجویز کئے جانے پر صحابہ کرامؓ کی تشویش:

ابن الاثیرؒ نے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہؓ کو عمرؓ کی خلافت کے حوالے سے کچھ اندیشے لاحق تھے۔ جب طلحہ بن عبید اللہؓ کو علم ہوا کہ ابو بکرؓ نے عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ تجویز کیا ہے، تو وہ ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا: "آپ نے اپنے بعد لوگوں پر عمرؓ کو مقرر کرنے کا انتخاب کیا ہے، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جب وہ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں، تب بھی وہ لوگوں سے کیسے معاملہ کرتے ہیں، تو پھر وہ ان کے ساتھ کیسے معاملہ کریں گے جبکہ وہ اکیلے ہوں گے اور آپ اپنے رب سے جا ملیں گے، اور وہ آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کرے گا؟" یہ سن کر ابو بکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے، طلحہؓ کے کندھے کو پکڑا، زور سے جھنجھوڑا اور کہا: "میرے پاس بیٹھو!" چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: "کیا تمہیں میرے بارے میں اللہ سے ڈر ہے؟!" یعنی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ پرہیزگار ہو، جو میرے لئے اللہ سے خوف محسوس کرتے ہو؟، پھر ابو بکرؓ نے فرمایا: "جب

میں اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا، تو میں کہوں گا: ''میں نے آپ کے بندوں پر، آپ کے بندوں میں سے سب سے بہتر کو خلیفہ مقرر کرنے کا انتخاب کیا تھا''۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے تقویٰ کے باعث نہایت پرہیز گار اور محتاط تھے، یہاں تک کہ انہوں نے خلافت کے عہدے سے کسی قسم کا دنیوی فائدہ حاصل کرنا بھی گوارا نہ کیا، خواہ وہ صرف ایک درہم ہو یا معمولی سامان۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ نے فرمایا: ''جب سے میں نے امیر بننے کی ذمہ داری سنبھالی ہے، تو دیکھ لو کہ میرے مال میں اگر کچھ بھی اضافہ ہوا ہو تو وہ چیز میرے بعد آنے والے خلیفہ کو بھجوا دو''۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ان کے پاس صرف ایک حبشی غلام تھا جو خود اپنے ہی بچوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا، اور ایک اونٹ تھا جسے باغ کو پانی دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ہم نے یہ دونوں چیزیں عمر رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیں۔ عمرؓ یہ دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا: ''اللہ ابو بکرؓ پر رحمتیں فرمائے، بے شک انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے (یعنی اپنے تقویٰ و زہد کے باعث ان کے لئے معیار بہت بلند کر دیا)''۔ یہ واقعہ ابن الجوزی اور دیگر علماء نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

### ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ ایک سرد رات کو غسل کرنے کے بعد بیمار ہو گئے جس سے انہیں بخار ہو گیا جس کی وجہ سے وہ پندرہ دن تک نماز کی ادائیگی کے لئے باہر نہ جا سکے۔ اس دوران انہوں نے عمر بن خطابؓ کو اپنی جگہ جماعت کی امامت کی ہدایت کی۔ یہاں تک کہ وہ پیر اور منگل کی درمیانی شب، 22 جمادی الآخر، 13 ہجری بمطابق 23 اگست 634 عیسوی کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے (الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر العسقلاني)۔ ان کی وفات سے قبل ان کے آخری الفاظ یہ تھے: ''اے اللہ! مجھے مسلمان کی حیثیت سے موت عطا فرما، اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے''۔ یہ کہتے ہی انہوں نے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ آمین!

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر مدینہ کی فضا سوگ میں ڈوب گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے مدینہ نے کبھی ایسا دن نہیں دیکھا جس میں اتنے لوگ، مرد و عورت، اس قدر روتے ہوں جتنا اس شام روئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضرت ابو بکرؓ کے فراق پر شدید غمگین تھے۔ اسی حالت میں علی بن ابی طالبؓ جلدی سے، روتے

ہوئے اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے آئے، وہ اُس گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے جہاں ابو بکرؓ کا جسدِ خاکی تھا، اور فرمایا: ”اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور بااعتبار دوست تھے۔ وہ آپ کو اپنی باتوں کا امین بناتے اور اپنے معاملات میں مشورہ لیتے تھے“۔ پھر انہوں نے کہا: ”اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے بعد امتِ مسلمہ آپ جیسا شخص کبھی نہیں پائے گی۔ آپ دین کے لیے عزت، حفاظت اور پناہ کا ذریعہ تھے۔ اللہ عزوجل آپ کو اپنے نبی محمد ﷺ کے ساتھ ملا دے، اور ہمیں آپ کے بعد آپ کے اجر سے محروم نہ کرے، اور آپ کے بعد ہمیں گمراہی سے بچائے“۔ جب تک علی رضی اللہ عنہ خاموش نہ ہو گئے تو مجمع پر سناٹا چھایا رہا، پھر اچانک لوگ زاروقطار رونے لگے، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، اور سب نے کہا: ”آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے“۔ (التبصرة لابن الجوزي)

فہرست

# "اسلامی شرعی احکام کا بتدریج نفاذ"

فارس منصور–عراق

اسلام کے نفاذ میں تدریج (تدریجیت) کا تصور ایک خطرناک تصور ہے، جو کہ اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ یہ ان لوگوں کے عزم کو کمزور کرتا ہے جو اسلام کے لئے کام کرتے ہیں، اور انہیں اپنے موقف اور عمل میں شریعت کے واضح اصولوں سے دور کر دیتا ہے۔ اسلام کے نفاذ میں تدریج کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ مسلم ممالک کو "اسلامی" ممالک تصور کر لیا جائے جنہیں صرف اصلاح کی ضرورت ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ ممالک کفریہ نظاموں کو نافذ کئے ہوئے ہیں، جسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے بجائے اس کے کہ اسلام کے تدریجی نفاذ کی بات کی جائے جو کہ ان کفریہ نظاموں کی عمر کو فقط طول دینا ہے۔ ہمارے لئے یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ تدریجیت کی دعوت اس بات کے رد عمل کے طور پر سامنے آئی، جیسا کہ اس کے حامیوں کا گمان ہے کہ موجودہ حالات میں اسلام کے تمام شرعی احکام کا ایک دم سے نفاذ کرنا مشکل ہے، خاص طور پر اس وقت جبکہ کافر مغرب اپنا تسلط جمائے ہوئے ہے اور اس کے ایجنٹ حکمران مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط ہیں۔

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر، بہت سے لوگوں نے اس پر مباحثے بھی کئے ہیں اور تحریریں بھی لکھی ہیں۔ تاہم میں یہاں چند ایسے نکات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہیں میں نہایت اہم سمجھتا ہوں:

**اوّل:** تدرج (Gradualism) کی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ کسی مطلوبہ شرعی حکم کا مرحلہ وار انداز میں نفاذ کیا جائے نہ کہ فوری طور پر۔ اسی لئے اسے "تدریجیت" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان ابتدا میں ایسا غیر شرعی حکم یا عمل اپنا لے جو اس کے نزدیک شرعی حکم سے قریب تر ہو۔ پھر وہ بتدریج ایسے اعمال اپنائے جو شریعت کے مزید قریب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ آخر کار وہ مطلوبہ شرعی حکم پر عمل پیرا ہو جائے۔ مثال کے طور پر: ایک مسلمان عورت ابتدا میں ایسا لباس پہنتی ہو جو بمشکل گھٹنوں سے نیچے تک پہنچتا ہو، اور بعد کے مراحل میں وہ عورت مکمل شرعی لباس کو اپنا لے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس تدریج میں مراحل کی تعداد کسی مقرر کردہ حد تک محدود نہیں ہوتی۔ کسی ایک شرعی حکم کے نفاذ تک پہنچنے کے لئے ایک، دو یا حتیٰ کہ اس سے زیادہ مراحل بھی ہو سکتے ہیں۔ تدریج کا انحصار حالات اور اسباب کی مناسبت سے ہوتا ہے جو ان مراحل کی تعداد کو طے کرتے ہیں۔

**دوئم:** تدریج کے حامی جو دلائل پیش کرتے ہیں، وہ استنباط (شرعی فقہی استدلال) کے درست اصولوں پر مبنی نہیں ہوتے۔ وہ لوگ شریعت کے دلائل سے یہ ثابت نہیں کرپاتے کہ شریعت میں تدرج جائز ہے۔ بلکہ وہ پہلے ہی یہ فیصلہ کرلیتے ہیں کہ تدریج ضروری ہے، اور اس کے بعد اسے جائز بنانے کے جواز کے لئے شریعت سے دلائل تلاش کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات ان لوگوں کی طرف سے قرآنِ کریم کی بعض آیات کے غلط استدلال سے واضح ہو جاتی ہے۔

**الف: ربا(سُود) سے متعلق قرآنی آیات:**

رِبا سے متعلق قرآنی آیات سے ان لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ربا کو یکسر حرام نہیں کیا، بلکہ اس کی حرمت کو مرحلہ وار نازل فرمایا، کیونکہ ان کے مطابق ابتدا میں ربا جائز تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِباً لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللهِ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْمُضْعِفُونَ**﴾ "اور جو کچھ تم سُود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں وہ بڑھے، تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو، اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے، تو یہی لوگ اپنے مال کو کئی گنا بڑھانے والے ہیں"۔ (سورۃ الروم؛30:39)

پھر وہ سودِ مرکب کی حرمت کی بات کرتے ہیں، لیکن سودِ مفرد کو نہیں چھیڑتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**﴾ "اے ایمان والو! رِبا کو دوگنا، چوگنا کرکے مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ (سورۃ آلِ عمران؛3:130)

اور آخر میں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ربا کو اس فرمان کے ذریعے حرام قرار دیا: ﴿**وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**﴾ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا"۔ (سورۃ البقرۃ؛2:275)

**رِبا کے بارے میں اس دعوے کے جواب میں ہم کہتے ہیں:** سود اپنی اصل سے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعے حرام ہے: ﴿**وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا**﴾ "اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا"۔ (سورۃ البقرۃ؛2:275) چونکہ سورۃ البقرۃ وہ سورۃ ہے جس میں ربا کی حرمت نازل ہوئی، اور یہ مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورۃ ہے، جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے، تو اس میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ سود کو بتدریج حرام کیا گیا ہو۔

جہاں تک اس موضوع پر دیگر متعدد شرعی نصوص کا تعلق ہے، وہ مخصوص واقعات کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ان میں تدریجی مراحل کی کوئی نشاندہی نہیں پائی جاتی۔

چنانچہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِباً لِيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلا يَرْبُوا عِنْدَ اللهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللهِ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْمُضْعِفُونَ﴾ "اور جو کچھ تم سُود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں وہ بڑھے، تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو، اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے، تو یہی لوگ اپنے مال کو کئی گنا بڑھانے والے ہیں" (سورۃ الروم؛30:39)۔ اس آیت کا ربا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تحفہ یا ہدیہ اس نیت سے دیتا ہے کہ اسے بدلے میں کچھ حاصل ہو یا بعد میں اسے واپس لے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یہ تفسیر امام قرطبی اور ابن کثیر نے ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، محمد بن کعب، اور الشعبی کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافاً مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ "اے ایمان والو! ربا کو دوگنا، چوگنا کر کے مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ" (سورۃ آلِ عمران؛3:130)۔ اس آیت سے بھی ان کے نکتہ نظر کے لئے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ قرآن کی یہ آیت سودِ مرکب لینے کی ممانعت کے طور پر نازل ہوئی، جو کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اسی طرح کے سودی معاملات کرتے تھے۔ آیت میں کہیں بھی یہ اشارہ نہیں کہ سود کی حرمت صرف مرکب سود تک محدود ہے، اور سودِ مفرد اس سے خارج ہے۔

**ب: شراب سے متعلق قرآنی آیات:** وہ لوگ جو تدریج کے قائل ہیں، وہ ان تمام قرآنی آیات سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ شراب ابتدا میں جائز ہوا کرتی تھی، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ "وہ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے" (سورۃ البقرۃ؛2:219)۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس کے جائز ہونے پر پابندی نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَقْرَبُوا الصَّلاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ "اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ تم جاننے لگو کہ کیا کہہ رہے ہو" (سورۃ النساء؛4:43)۔

پھر اس پابندی کے بعد، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شراب کو مکمل طور پر حرام قرار دے دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ * إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ ”اے ایمان والو! شراب، جوا، بت، اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ * شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے، اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے؟ “(سورۃ المائدۃ؛5:90-91)۔

**اس مؤقف کے جواب میں:** ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآنی آیات شراب کی تدریجی حرمت کی کوئی دلیل فراہم نہیں کرتیں۔ شراب کو تدریجاً حرام نہیں کیا گیا۔ شراب کو اس کی اصل حالت میں ہی متروک چھوڑا گیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ * إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ ”اے ایمان والو! شراب، جوا، بت، اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ * شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے، اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے؟ “(سورۃ المائدۃ؛5:90-91)۔

اور جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کا بغور جائزہ لے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ ”اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ تم جاننے لگو کہ کیا کہہ رہے ہو“ (سورۃ النساء؛ 4:43)۔ تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آیت میں مسلمانوں کو اس وقت نماز کے قریب جانے سے نہیں روکا گیا جب وہ شراب پی رہے ہوں۔ بلکہ آیت میں یہ کہا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز ادا کرنا حرام ہے تاکہ مسلمان جان سکیں کہ وہ کیا تلاوت کر رہے ہیں۔ اگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد، مسلمان پر شراب کا اثر ہو لیکن وہ اس حد تک ہو کہ اس کی عقل متاثر نہ ہو، تو اس پر کوئی الزام نہیں ہو گا۔

تاہم، جب شراب کو حرام قرار دے دیا گیا تو کسی نے بھی کسی بھی صورت میں شراب پینے کی اجازت نہیں دی نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور میں، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں، اور نہ ہی تابعین اور تبع تابعین کے دور میں۔ شراب کے حرام ہونے کا شرعی حکم روزِ قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

**سوئم:** جیسے ہی کوئی نئے شرعی احکام نازل ہوتے تھے تو رسول اللہ ﷺ ان نئے شرعی احکام کو فوراً پہنچا دیتے اور ان کی پابندی کرنے کا حکم دیتے۔ جو کچھ بھی آپ ﷺ پر نازل ہوتا تھا تو آپ ﷺ اس حکم کا نفاذ کرنے میں مرحلہ وار اقدام نہیں اٹھاتے تھے، نہ ہی آپ ﷺ نے کسی بھی حرام کی اس کے حرام مقرر ہو جانے کے بعد کسی قسم کی کوئی اجازت دی، اور نہ ہی آپ ﷺ نے کسی منسوخ حکم کو اس کے منسوخ ہو جانے کے بعد جاری رکھا۔ اس بات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے بعض احکام کے نفاذ میں کسی قسم کی کوئی تاخیر کی ہو، یا یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کہا ہو کہ کچھ شرعی احکام کو تو فوراً نافذ کر دیں، جبکہ انہیں دیگر احکام کو مؤخر کرنے کی اجازت دی ہو، کہ اس سے یہ اخذ کیا جا سکے کہ آپ ﷺ شرعی احکام کو بتدریج نافذ کر رہے تھے۔ اس کے برعکس، ہم آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قریش کے سرداروں کی اس درخواست کو رد کر دیا کہ آپ ﷺ شرعی احکام میں سے کچھ کو چھوڑ دیں۔ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو حکمرانی میں شرکت کی پیش کش کی تو آپ ﷺ نے کفریہ حکمرانی میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ ہم آپ ﷺ کا وہ موقف بھی دیکھتے ہیں جب بنو عامر بن صعصعہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ کے بعد اقتدار ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے، حالانکہ اس وقت آپ ﷺ کو دعوت کے لئے نصرۃ کی شدید ضرورت تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «الْأَمْرُ إِلَى اللهِ يَضَعُهُ حَيْثُ يَشَاءُ» "(یہ معاملہ) حکم تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ اسے جہاں چاہے رکھ دے"۔ ہم آپ ﷺ کا موقف بنو شیبان کے بارے میں بھی دیکھتے ہیں جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، (يا محمد إن عندنا رجالاً كالذرِّ ومالاً كالتراب وعزيمة وبأساً كالجبال، ننصرك على العرب ولا ننصرك على الفرس والروم) "اے محمد، ہمارے پاس مردوں کی بہتات ہے، مال کی فراوانی ہے، اور عزم و حوصلہ پہاڑوں کی مانند ہے۔ ہم عربوں کے خلاف تو آپ کی مدد کریں گے، لیکن فارسیوں اور رومیوں کے خلاف ہم آپ کی مدد نہیں کریں گے"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: (وَإِنَّ دِينَ اللهِ تَعَالَى لَنْ يَنْصُرَهُ إلا مَنْ أَحَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ) "اللہ کے دین کی مدد صرف وہی لوگ کریں گے جو اسے ہر طرف سے تحفظ دیں گے"۔

جیسے کہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا بنو ثقیف کے بارے میں موقف یہ تھا کہ جب بنو ثقیف کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرنے آیا، تو انہوں نے ان سے درخواست کی کہ ان کے بت "اللات" کو تین سال تک کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ چلیں ایک سال کے لئے چھوڑ دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے پھر انکار کیا۔ وہ مسلسل درخواست کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک مہینے تک کے لئے بت کو چھوڑ دینے کی درخواست کی، جب کہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی مخصوص مدت کے لئے بت کو مہلت دینے کے لئے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آنے والے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرزِ عمل رہا تھا، جب انہوں نے نئے فتح شدہ علاقوں میں کسی تاخیر، ٹال مٹول یا تدریجی عمل کے بغیر اسلام کے شرعی احکام کو فوری اور ایک ساتھ نافذ کیا۔

**چہارم:** جب ہم روئے زمین پر موجود حقائق کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے تدریجی نفاذ کا تصور ہمارے لئے شر کے سوا کچھ نہیں لایا ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ مثلاً، مصر میں، اخوان المسلمون اقتدار میں آئے۔ نتیجہ کیا نکلا؟! وہ دین کو قائم کرنے میں ناکام رہے۔ سوڈان کی حالت یہ ہے کہ ملک تقسیم ہو چکا ہے اور اس کے لوگ غربت اور بدحالی کا شکار ہیں۔ ترکی، جسے بہت سے لوگ حکمرانی کے ماڈل کے طور پر دیکھتے ہیں، وہ حقیقت میں سیکولرازم کا گڑھ بن چکا ہے اور مغرب کے تابع ہے۔ جہاں تک اردن کا تعلق ہے تو اس کی سب سے بڑی تشویش انتخابی قانون میں تبدیلی لانا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ افراد پارلیمنٹ میں داخل ہو سکیں۔ تیونس میں صورت حال اس نہج تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن مجید کے واضح (قطعی) اسلامی شرعی احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، جیسے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوی وراثت کے قوانین اور تعدد ازدواج کو جرم قرار دینا۔ اور اب، شام میں ہم دیکھتے ہیں کہ هيئة تحرير الشام اپنی راہ کے اختتام تک پہنچ چکی ہے، جس کا مقصد صرف حکومت کا خاتمہ تھا۔ آج وہ اقتدار میں ہیں، مگر انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شرعی حکمرانی کے قیام کو نظر انداز کر دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو دیگر طاقتوں کی جھولی میں پھینک کر خود کو ان کے حوالے کر دیا ہے۔ تمام مسلم ممالک نے غزہ میں مجاہدین کو نظر انداز کیا اور حتیٰ کہ ان کے خلاف سازشیں کیں، حالانکہ وہ ممالک اپنے آپ کو مسلمان یا "اسلامی" ممالک کہتے ہیں۔

**آخر میں:** ہم ہمیشہ کہتے آئے ہیں اور آج بھی کہتے ہیں کہ اسلامی امت ایک معزز امت ہے جو خیر سے لبریز ہے۔ یہ ایک ایسی امت ہے جو اسلام کو نافذ کرنے کی تڑپ رکھتی ہے۔ ہم ہمیشہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقی تبدیلی صرف ایک بنیادی، جامع اور

مکمل تبدیلی کے ذریعے ہی آئے گی۔ اور یہ تبدیلی صرف خلافت راشدہ کے تحت ہی ممکن ہو گی جو اسلام کو ایک نظام اور آئین کے طور پر لوگوں کی زندگیوں میں نافذ کرے گی۔

حزب التحریر دن رات امت کے درمیان اور اس کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ حزب نے خلافت کے لئے مکمل تیاری کر رکھی ہے، جس میں ریاستِ خلافت کے آئین کے مسودے کی شکل میں ریاست کے لئے شرعی احکام شامل ہیں، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے استنباط شدہ ہیں، اور مضبوط دلائل کے ساتھ ہیں۔ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم خلافت کے احیاء ہونے کے گواہ بنیں اور اس خلافت کے سپاہیوں میں شامل ہوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

”اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ انہیں زمین پر ان حکمرانوں کی بجائے حکمرانی عطا فرمائیگا، جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں“ (النور: 24:55)۔

فہرست

# بھارت اور پاکستان کے درمیان تنازع کی حد کا تعین امریکہ کی پالیسی اور چین کے حوالے سے اس کی حکمتِ عملی کی حد سے ہوتا ہے

مناجی محمد

پاکستان میں برسرِ اقتدار فوجی نظام کو عموماً امریکہ کا تابع سمجھا جاتا ہے۔ اس کے عسکری قائدین بارہا امریکہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں، اُس دوطرفہ شراکت کے نام پر جسے وہ طویل المدتی تعلق میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستانی فوجی نظام، اسلام کے خلاف جنگ اور یوریشیا پر غلبے کے لیے امریکہ کی پالیسی اور اس کی جامع حکمتِ عملی کا ایک آلہ ہے، جس کا مقصد اپنے اسٹریٹیجک حریف چین کو کمزور اور محدود کرنا ہے۔

اسی طرح، بھارت میں مودی کی حکومت بھی اسلام کو نشانہ بنانے اور چین کو گھیرنے و محدود کرنے کے لیے امریکی پالیسی میں مکمل طور پر شریک ہے۔ مودی کی قیادت میں بھارت امریکہ کی اسٹریٹیجک اور جیو-اسٹریٹیجک منصوبہ بندی میں ایک مرکزی ستون بن چکا ہے۔

چونکہ پاکستان اور بھارت دونوں امریکہ کے تابع ہیں، اور چونکہ ان کے درمیان جیو-اسٹریٹیجک تنازع چین کی مغربی سرحدوں پر واقع اہم یوریشیائی خطے میں ہے، اس لیے ان دونوں کے درمیان حالیہ تنازع کو امریکہ کی پالیسی کے تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ اس تنازع کی نوعیت—چاہے وہ اسٹریٹیجک ہو یا جیو-اسٹریٹیجک—امریکہ کی یوریشیا میں اپنائی گئی پالیسی کی متعین کردہ حدود سے باہر نہیں جاسکتی۔

امریکہ چین کو اپنے مفادات کے لیے سب سے بڑا خطرہ اور یوریشیا میں اپنی بالادستی کے لیے سب سے زیادہ خطرناک چیلنج سمجھتا ہے۔ چین کے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جو عملی حکمت عملی امریکہ نے اپنائی ہے، اس میں ایشیا پیسفک کے

ممالک کو استعمال کر کے چین کے گرد دشمنانہ آگ کا حصار قائم کرنا شامل ہے، اور اس مقصد کے لیے برصغیر، بالخصوص بھارت، کو ایک کلیدی کردار سونپا گیا ہے۔ اس حکمتِ عملی کا اصل ہدف چین کو محدود کرنا ہے، جو کہ اسے گھیرنے اور بالآخر کمزور کرنے کی تمہید کے طور پر اپنائی گئی ہے۔

اس مقصد کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ بھارت کی طاقت میں اضافہ کیا جائے، اس کے حریف پاکستان کو کمزور کیا جائے، مقبوضہ کشمیر کو غیر مؤثر بنا کر پاکستان اور بھارت کے تنازع کے تناظر سے نکال دیا جائے، اور یوں بھارت کو اس خطے میں ایک جیو-اسٹریٹیجک قوت کے طور پر مسلط کیا جائے تاکہ وہ چین کا سامنا کر سکے۔ اگست 2019 میں بھارت کی جانب سے مقبوضہ کشمیر کو باقاعدہ بھارت کا حصہ قرار دینے کے بعد پاکستان کے حکمرانوں کی امریکہ کی حکمتِ عملی کے سامنے مکمل تابعداری کھل کر سامنے آگئی تھی۔

امریکی اسٹریٹیجک پالیسی میں بھارت کو ہمیشہ مغربی استعمار کی اسٹریٹیجک میراث کا حصہ سمجھا گیا ہے۔ ماضی میں یہ برطانوی حکمتِ عملی کا حصہ تھا، اور آج اُسے امریکی اسٹریٹیجک منصوبوں کے لیے یوریشیا میں استعمال کرنے کے لیے امریکہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

اکتوبر 2002 میں امریکی وزارتِ دفاع کے سیکریٹری کے دفتر، "نیٹ اسیسمنٹ آفس" سے جاری ہونے والی رپورٹ "Indo U.S. Military Relationship: Expectations, and Perceptions" میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ: "امریکی فوجی حکام اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ وہ بالآخر بھارتی فوجی اڈوں اور دفاعی ڈھانچے تک رسائی حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ بھارت کا ایشیا کے قلب میں اسٹریٹیجک محلِ وقوع، اور مشرقِ وسطیٰ کو مشرقِ بعید سے ملانے والی مصروف سمندری تجارتی راہداریوں (SLOCs) کے کنارے واقع ہونا، اُسے امریکی افواج کے لیے خاص طور پر پرکشش بناتا ہے"۔

ستمبر 2005ء میں امریکی آرمی وار کالج کے لیے ایک مقالے میں، جس کا عنوان تھا: "Natural Allies? Regional Security in Asia and Prospects for Indo-American Strategic Cooperation"، اسٹیفن جے.

بلینک (Stephen J. Blank)—جو امریکن فارن پالیسی کونسل سے وابستہ ہیں —نے لکھا: "ہمیں بھارت کی عملی اور ٹھوس حمایت کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے اسٹریٹیجک مفادات اور مقاصد عالمی نوعیت کے ہیں... ڈیاگو گارشیا (ہندوستانی بحر) سے لے کر اوکیناوا اور گوام (بحر الکاہل) تک پھیلے ہوئے ہزاروں میل طویل قوس (arc) میں امریکی افواج کی موجودگی خطرناک حد تک کمزور ہے"۔

یوں امریکہ نے بھارت کی عسکری تیاری اور جنگی صلاحیتوں کو مضبوط بنانا شروع کیا تاکہ اُسے اپنی سلامتی حکمتِ عملی کا حصہ بنایا جاسکے، اور بالآخر چین کے خلاف نئی سرد جنگ میں پیش پیش رکھا جاسکے۔ بھارت کو امریکی حکمتِ عملی میں ضم کرنے کا عمل 2004 میں شروع ہوا، جو مودی کی حکومت اور ٹرمپ کے پہلے دورِ حکومت میں تیزی سے آگے بڑھا۔ 2016 میں بھارت نے امریکہ کے ساتھ ایک لاجسٹکس ایکسچینج میمورنڈم پر دستخط کیے، جس کے تحت دونوں ممالک مخصوص مقاصد کے لیے ایک دوسرے کی فوجی سہولیات استعمال کرسکتے ہیں۔ 2020 میں ایک مشابہ معاہدے پر دستخط کیے گئے تاکہ پہلے معاہدے کو مزید مستحکم کیا جاسکے، اس کے ساتھ ساتھ فوجی خفیہ مواصلات کے تبادلے اور بھارتی اسلحہ کو امریکی اسلحہ منڈی کی طرف موڑنے کے معاہدے بھی کیے گئے۔

آج، مودی کے حالیہ دورۂ امریکہ (13 فروری 2025) اور صدر ٹرمپ سے ملاقات —جنھوں نے مودی کو "عظیم دوست" قرار دیا—اور اس دوران طے پانے والے اسٹریٹیجک معاہدوں کے بعد، یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ بھارت کو مزید عسکری طور پر مضبوط بنانے اور اس کی اسٹریٹیجک صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، تاکہ اُسے چین کے خلاف امریکی حکمتِ عملی کا حصہ بنایا جاسکے۔ مودی کو امریکہ کے لیے اس مقصد کے حصول کا ایک کلیدی موقع سمجھا جارہا ہے۔ اس دورے سے قبل بھارتی وزارتِ خارجہ نے اعلان کیا تھا کہ مودی اور ٹرمپ ایشیا پیسیفک خطے میں چین کا مقابلہ کرنے کے لیے کواڈ (Quad)—یعنی امریکہ، بھارت، جاپان، اور آسٹریلیا پر مشتمل سیکیورٹی اتحاد—کو مضبوط بنانے پر گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد 21 جنوری 2025 کو واشنگٹن میں کواڈ اجلاس منعقد ہوا، جس میں انڈو پیسفک خطے میں سیکیورٹی بڑھانے کے عزم کا اظہار کیا گیا—جو اس بات کا اشارہ ہے کہ چین کا مقابلہ کرنا امریکہ کی اسٹریٹیجک ترجیحات میں سرفہرست ہے۔

ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران، ٹرمپ نے اعلان کیا، "وزیراعظم اور میں نے توانائی کے حوالے سے ایک اہم معاہدے پر بھی اتفاق کیا ہے جو امریکہ کو بھارت کا ایک اہم تیل اور گیس فراہم کنندہ بنانے میں مدد دے گا۔ امید ہے کہ امریکہ بھارت کا نمبر ایک سپلائر بن جائے گا۔" مودی نے کہا، "بھارت کی توانائی کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے ہم تیل اور گیس کی تجارت پر خصوصی توجہ مرکوز کریں گے، جب کہ توانائی کے بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری میں بھی اضافہ ہو گا۔ جوہری توانائی کے شعبے میں، ہم نے چھوٹے ماڈیولرری ایکٹرز کے حوالے سے تعاون بڑھانے پر بھی تبادلہ خیال کیا۔"

مودی نے رضامندی کا اظہار کیا کہ بھارت اور امریکہ اسٹریٹجک معدنیات کے لیے مضبوط سپلائی چین قائم کرنے اور باہمی تجارت کے حجم کو کئی گنا بڑھانے پر توجہ دیں گے۔ ٹرمپ نے بھی اعلان کیا کہ واشنگٹن بھارت کو ایف-35 فائٹر جیٹ طیارے فروخت کرے گا، جس سے بھارت ان چند ممالک میں شامل ہو جائے گا جو ایسے جدید طیارے رکھتے ہیں۔ ٹرمپ نے زور دیا، "اس سال سے ہم بھارت کو فوجی سامان کی فروخت کئی ارب ڈالرز سے بڑھا رہے ہیں۔ ہم بھارت کو ایف-35 سٹیلتھ فائٹر فراہم کرنے کے لیے بھی راستہ ہموار کر رہے ہیں"۔

ایک حالیہ معاہدے کے تحت جنرل الیکٹرک کو ہندوستان ایروناٹکس کے ساتھ شراکت داری کی اجازت دی گئی ہے تاکہ بھارت میں جیٹ انجن تیار کیے جائیں، اور امریکہ میں بنے ہوئے مسلح ڈرونز بھارت کو فروخت کیے جائیں۔ ایک مشترکہ بیان میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ امریکہ اور بھارت کے درمیان 21ویں صدی کے لیے ایک نئے دس سالہ دفاعی فریم ورک پر دستخط کرنے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے۔

یہ تمام معاہدے امریکہ کے لیے ایک بڑی اسٹریٹیجک پیش رفت کی نمائندگی کرتے ہیں، جو اسے بھارت کے حساس اور اہم شعبوں —جیسے توانائی، جوہری معاملات، قیمتی معدنیات، فضائیہ، اور سکیورٹی— پر کنٹرول اور غلبہ حاصل کرنے کا موقع دیتے ہیں، اور بھارت کو چین کے خلاف امریکہ کی سرد جنگ میں ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

یہ حالیہ پاک-بھارت عسکری جھڑپ کو یوریشیا میں امریکی پالیسی کے وسیع تر تناظر اور اس کی اسٹریٹیجک حکمتِ عملی کا حصہ قرار دیتی ہے—یعنی یہ واقعہ اس حکمتِ عملی کا معاون عنصر ہے، نہ کہ اس میں خلل ڈالنے والا۔ امریکہ کی اسٹریٹیجی میں بھارت ایک مرکزی فریق ہے، اور اسی نے پاکستان کے خلاف عسکری کارروائی کا آغاز کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بھارت نے ابتدا ہی سے اس واقعے کو محدود رکھنے اور جلد سمیٹنے کی کوشش کی۔ 7 مئی 2025 کو بھارتی وزارتِ دفاع نے بیان دیا: "تھوڑی دیر قبل بھارتی مسلح افواج نے 'آپریشن سندور' شروع کیا، جس کے تحت پاکستان اور پاکستان کے زیرِ قبضہ جموں وکشمیر میں اُن دہشت گرد ڈھانچوں کو نشانہ بنایا گیا جہاں سے بھارت پر حملوں کی منصوبہ بندی اور ہدایات دی جاتی تھیں۔ مجموعی طور پر نو (9) مقامات کو نشانہ بنایا گیا۔ ہماری کارروائیاں مرکوز، محتاط حکمت عملی اور غیر اشتعالی نوعیت کی تھیں۔ جن میں کسی پاکستانی فوجی تنصیب کو نشانہ نہیں بنایا گیا"۔

قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے کہ بھارتی فضائیہ کو اس محدود نوعیت کے عسکری واقعے میں جو نقصان اٹھانا پڑا، وہ تباہ کن ہے، حالانکہ یہ واقعہ کسی مکمل جنگ کی سطح تک نہیں پہنچا۔ سی این این نے تبصرہ کیا: "بھارت اور پاکستان کے درمیان حالیہ تنازع نے بھارتی فضائیہ کی محدود صلاحیتوں کو بے نقاب کر دیا ہے"۔ پاکستانی سکیورٹی ذرائع کے مطابق بھارت کے جو پانچ طیارے مار گرائے گئے، اُن میں سے تین فرانسیسی ساختہ ڈسالٹ رافائل (Dassault Rafale) طیارے تھے، جو بھارتی فضائیہ کے سب سے جدید جنگی طیاروں میں شمار ہوتے ہیں اور حال ہی میں فرانس سے خریدے گئے تھے۔ بھارت کے بیڑے میں کل 36 رافائل طیارے شامل تھے۔ اس کے علاوہ ایک روسی ساختہ میگ-29، ایک روسی ساختہ سخوئی-30، اور ایک یہودی وجود کے تیار کردہ آئی اے آئی ہی رون (Machatz-1) ڈرون کو بھی مار گرایا گیا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بھارت تقریباً 60 فیصد دفاعی ساز وسامان کے لیے روس پر انحصار کرتا ہے۔

یہ حالیہ واقعے کو ایک بڑی پالیسی کا حصہ بناتا ہے، نہ کہ محض ایک سکیورٹی واقعے پر ردِ عمل۔ مودی کے حالیہ دورۂ امریکہ کے دوران کیے گئے معاہدے بھارت کی معیشت، فوج اور اسٹریٹیجک ڈھانچے میں امریکی مداخلت کی سب سے بڑی مثال بن گئے ہیں۔ بھارت میں جاری سیاسی کشمکش کے ماحول میں ایسے معاہدوں کی منظوری مودی حکومت اور امریکی اثر ورسوخ کے لیے

ایک ممکنہ سیاسی دھچکا ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہ عسکری واقعہ ان معاہدوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ بھارتی فضائیہ کی پسپائی نے امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدوں کے لیے ایک جواز فراہم کر دیا، اور ساتھ ہی امریکی فضائی طاقت کی ضرورت کو بھی ابھارا، خاص طور پر فرانسیسی اور روسی اسلحے کی ناکامی کے بعد۔ اسی بنیاد پر دیگر دفاعی شعبوں میں بھی معاہدوں کے دائرے کو وسعت دینے کا جواز پیدا ہوا، کیونکہ امریکہ ٹیکنالوجی میں سبقت رکھتا ہے۔ روس-یوکرین جنگ اور روس پر لگائی گئی پابندیاں مودی کو مزید یہ جواز فراہم کرتی ہیں کہ وہ دفاع اور توانائی کے شعبے میں روسی مارکیٹ کو خیرباد کہہ دیں، روسی سپلائی چینز کو توڑیں اور ماسکو کو کمزور کریں—جو کہ براہِ راست امریکی حکمتِ عملی کی خدمت ہے۔

بھارت اور پاکستان کے درمیان حالیہ تنازع مودی کی طرف سے امریکی پالیسی اور چین کے خلاف اس کی اسٹریٹیجی کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کو چھپانے کا ایک پردہ معلوم ہوتا ہے—جس کے ذریعے بھارت اور اس کے تمام اسٹریٹیجک شعبوں کو امریکہ سے باندھ دیا گیا ہے۔ یہ بات حیران کن نہیں کہ ایک گائے پوجنے والا ہندو ایسا کرے، لیکن اس سے کہیں زیادہ شرمناک اور رسوائی کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے حکمران مسلمانوں کے عظیم دین اسلام اور ان کی امت کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شریک ہیں، اور مسلمانوں کے خون اور وسائل کی قیمت پر امریکہ کے ظالمانہ غلبے کی خدمت کر رہے ہیں۔

اے دنیا بھر کے مسلمانو! تمہارے تمام حکمران استعماری ایجنٹ ہیں جو تمہارے اسلام کو مٹانے، تمہاری وحدت کو توڑنے، دشمن کے لیے استعماری علاقے چلانے، اور تمہارے مقدسات و مقاصد سے غداری کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہارے تمام حکمران تمہارے دشمن ہیں۔ کیا کوئی صاحبِ عقل انسان یہ قبول کر سکتا ہے کہ اس کا دشمن اس پر حکمرانی کرے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿**هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ**﴾ "**یہی تو دشمن ہیں، پس ان سے بچو۔ اللہ ان کو ہلاک کرے، کہاں بہکے جا رہے ہیں!**" (المنافقون 63:4)۔

[فہرست](#)

# کشمیر کی آزادی کا تاریخی موقع: پاک فوج کے مخلصین کے نام ایک پکار

بلال المہاجر

کمزور اور بزدل ہاتھوں سے مودی نے پاکستان اور نہتے کشمیری عوام کے خلاف انتقامی میزائل داغنے کی کوشش کی، مگر وہ پاکستانی عسکری اڈوں کو نشانہ بنانے کی ہمت نہ کر سکا بلکہ اس نے قرآن حفظ کرنے والے معصوم بچوں اور عام شہریوں کو نشانہ بنایا۔

اس بھارتی جارحیت اور مہم جوئی کی اہم نشانیاں درج ذیل ہیں:

**اول:** عام طور پر عسکری جنگوں میں حملہ آور کو برتری حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے حریف کے لیے حساس اور تکلیف دہ مقامات چننے کی آزادی رکھتا ہے۔ لیکن بھارت نے، اپنی بزدلی اور پاکستانی ردعمل کے خوف سے، کوئی حساس یا مؤثر مقام نہیں چُنا، تاکہ پاک فوج کے شیروں کا غصہ نہ بھڑک اُٹھے۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ حملہ محض اپنی ناک بچانے کے لیے تھا، خاص طور پر 22 اپریل کے واقعے کے بعد۔

**دوم:** اگرچہ پاک فوج کے ترجمان محمد شریف چوہدری کا کمزور سا بیان سامنے آیا کہ پاکستان "مناسب وقت اور جگہ پر جواب دے گا"، جو دراصل فوری اور مؤثر ردعمل کا موقع گنوانے کے مترادف تھا—ایسا ردعمل جو بھارتی اتحادیوں، مثلاً امریکہ، کی مداخلت سے پہلے آنا چاہیے تھا—تاہم، محض بھارتی حملہ ناکام بنانا ہی بھارت کے لیے رسوائی کا باعث بن گیا۔ بھارت کے پانچ جنگی طیارے ایسے گرے جیسے کہ وہ مکھیاں ہوں، اور کئی بھارتی فوجی مارے گئے یا قید ہوئے۔ یہ بھارتی فوجی طاقت کی کمزوری، بزدلی اور کھوکھلے پن کا کھلا ثبوت ہے، اور پاکستانی مجاہد سپاہیوں کی تیاری، حوصلے اور شجاعت کی گواہی ہے۔

**سوم:** پاک فوج کی قیادت کی جانب سے واضح احکامات کے بغیر بھی فضائیہ کے شاہینوں، زمینی دفاعی نظام اور پیدل دستوں کے مجاہدوں نے فوری اور قدرتی انداز میں دشمن کو منہ توڑ جواب دیا۔ اگر اس وقت پاک فوج کی قیادت میں کوئی صلاح الدین ایوبی یا خالد بن ولید جیسا سپہ سالار ہوتا، تو یہ حملہ، چند گھنٹوں میں نہ سہی چند دنوں میں ہی سہی، لیکن کشمیر کی آزادی کا نقطۂ آغاز بن سکتا تھا۔ اب بھی پاک فوج کے مخلص افراد کو چاہیے کہ حالات کا ادراک کریں، اور دوبارہ وہی غلطی نہ دُہرائیں جو نواز اور مشرف نے کارگل میں فتح کو شکست میں بدل کر کی تھی۔

فوج میں موجود مخلص افراد کو چاہیے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اور حزب التحریر کو نصرۃ فراہم کریں تا کہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کا قیام عمل میں آئے۔ تب ہی پاکستان کی عسکری قوت اللہ کی راہ میں قتال کے اصل مقصد کے لیے اپنی پوری صلاحیت سے عمل کرے گی، کشمیر کو آزاد کرے گی، بر صغیر کو امتِ مسلمہ کی آغوش میں لوٹائے گی، اور ارضِ مقدس—فلسطین—کی آزادی کی جانب پیش قدمی کرے گی۔

**شاہین 3:** امریکہ اور یہود کی "جدید" دفاعی ڈھال پر غالب ہے

حوثیوں کا شَہاب 3 میزائل "حیتس 2" اور "حیتس 3" جیسے یہودی ساختہ دفاعی میزائلوں اور امریکی "تھاڈ" میزائل سسٹم کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب رہا، اور اُس نے یہودی وجود کے سب سے حساس اور سخت ترین فضائی دفاع سے لیس علاقے—لد ایئرپورٹ—کو براہِ راست نشانہ بنایا اور کاری ضرب لگائی۔ یہ مبارک حملہ دو حقیقتیں آشکار کرتا ہے:

**پہلی:** یہ کہ فضائی دفاعی نظام، جو امریکہ اور یہودی وجود کی جنگی ٹیکنالوجی کا بہترین اور جدید ترین نمونہ ہے، اور جسے "آئرن ڈوم" کہہ کر یہودی وجود کے تحفظ کا ضامن سمجھا جاتا ہے، حقیقت میں ایک ناکام و ناتواں ڈھال ثابت ہوا ہے۔ وہ ایرانی ساختہ ایک بیلسٹک میزائل کو بھی روکنے سے قاصر رہا، حالانکہ ایران عسکری پیداوار میں دنیا کی کم ترقی یافتہ ریاستوں میں شمار ہوتا ہے۔ تو پھر یہ آئرن ڈوم کیسے پاکستان کے شاہین 2 اور شاہین 3 جیسے جدید، طویل فاصلے تک نشانہ لگانے، اور ہزار کلوگرام وزنی روایتی یا جوہری ہتھیار لے جانے والے میزائلوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کرے گا؟! کیا یہودی وجود کو واقعی ایک سے زیادہ میزائل حملوں کی ضرورت ہے کہ اس کی زمین لرزنے لگے، اور پھر مجاہدین کے لشکر مسجد اقصیٰ اور مقدس سرزمین کو یہودیوں کے ناپاک وجود سے پاک کر دیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

﴿هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللهِ فَأَتَاهُمُ اللهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾ "وہی ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کافروں کو پہلے ہی لشکر کے وقت ان کے گھروں سے نکال باہر کیا، تم نے گمان بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکلیں گے، اور وہ

**سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے۔ پس اللہ نے انہیں وہاں سے آلیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا، اور ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، پس اے عقل والو! عبرت حاصل کرو۔**"(سورۃ الحشر:2)

دوسری: وہ عذر جو پاکستان کے حکمران اور دیگر مسلم دنیا کے ایجنٹ حکمران پیش کرتے ہیں—کہ غزہ سے جغرافیائی فاصلہ اور سیاسی سرحدیں ان کی مدد و نصرۃ میں رکاوٹ ہیں—سراسر جھوٹا اور باطل عذر ہے۔ شَہاب 3 میزائل کا کامیاب حملہ اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ فاصلہ کبھی رکاوٹ نہیں رہا۔ بلکہ یہ دعویٰ ایک فریب ہے، جو دراصل پاکستانی حکومت کی مجرمانہ خاموشی، عملی کوتاہی، اور یہاں تک کہ غزہ میں یہودی مظالم پر اس کی درپردہ رضامندی کو بے نقاب کرتا ہے۔
چنانچہ حقیقت اب روزِ روشن کی طرح عیاں ہے: اسلام اور مسلمانوں کے اصل دشمن وہ مسلم حکمران ہیں جو مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد سے روکتے ہیں۔ ہر مخلص فرد—چاہے وہ فوجی ہو، عالم ہو، یا عام شہری—پر لازم ہے کہ وہ حزب التحریر کے ساتھ مل کر ان حکمرانوں کو ہٹانے اور کشمیر و فلسطین کی آزادی، نیز مسلم دنیا کو نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کے جھنڈے تلے متحد کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔

فہرست

# سوال وجواب: ڈیپ اسٹیٹ

عطاء بن خلیل أبو الرشتہ

**سوال:**

اصطلاح "ڈیپ اسٹیٹ" آج کل سیاستدانوں اور میڈیا میں بکثرت استعمال ہو رہی ہے۔ تاہم، جب ان بیانات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطلب ایک جیسا نہیں ہوتا۔ کیا آپ اس اصطلاح کے سب سے ممکنہ اور قابل فہم معنی کو واضح کرسکتے ہیں، تاکہ ہم اس سے جڑی سیاسی حقیقتوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں؟ نیز، اگر ممکن ہو تو چند مثالیں بھی فراہم کریں تاکہ مزید وضاحت ہو سکے۔ اگر میرے اس سوال اور مثالوں کی درخواست سے آپ کی کسی اہم تر اور قیمتی مصروفیت میں خلل پڑے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ شکریہ۔

**جواب:**

جی ہاں، "ڈیپ اسٹیٹ" کے بارے میں جو کچھ شائع ہوتا ہے، اس میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ اسے حکومت سے باہر بااثر طبقات کا ایک خفیہ نیٹ ورک سمجھتے ہیں جو موجودہ حکومت کے خلاف کام کرتا ہے، جیسا کہ ترکی میں ہوا۔ کچھ اسے خود حکومت کے اندر ایک قابض قوت سمجھتے ہیں جو جب چاہے ملک پر حکومت کرتی ہے، اور جب کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا الزام دوسروں پر ڈال دیتی ہے، اور پھر وقتی طور پر اقتدار چھوڑ کر کسی اور کو سامنے ایک حکمران کے طور پر لاتی ہے تاکہ اسے مورد الزام ٹھہرایا جاسکے، اور پھر جب مقصد پورا ہو جائے دوبارہ حکومت پر قابض ہو جاتی ہے، جیسا کہ برطانیہ میں ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ اسے بااثر گروہوں کے درمیان طاقت کی جنگ سمجھتے ہیں، جیسا کہ امریکہ میں ٹرمپ کے دور میں ہو رہا ہے۔ کچھ حکمران اپنی حکومتی ناکامیوں اور کمزوریوں کو چھپانے کے لیے اس اصطلاح کو قربانی کے بکرے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور اپنی کوتاہیوں کو ڈیپ اسٹیٹ کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اس اصطلاح کو صرف اس وقت اچھالتے ہیں جب وہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانا چاہتے ہیں — کبھی "ڈیپ اسٹیٹ" کا سہارا لیتے ہیں، تو کبھی کوئی اور مبہم یا دلکش متبادل اصطلاح استعمال کرکے اصل حقیقت کو دھندلا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ استعماری طاقتوں کو اُن

ممالک کی ڈیپ اسٹیٹ قرار دیتے ہیں جن پر وہ بالواسطہ قابض ہیں۔ اس مسئلے کے درست اور متوازن مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے:

## اول: ڈیپ اسٹیٹ کی کچھ تعریفات:

1- **ویبسٹر ڈکشنری**، جو دنیا کی قدیم ترین لغات میں سے ایک ہے، ڈیپ اسٹیٹ کو یوں بیان کرتی ہے: "ایک مبینہ خفیہ نیٹ ورک، جو خاص طور پر غیر منتخب شدہ سرکاری اہلکاروں اور کبھی کبھار نجی اداروں پر مشتمل ہوتا ہے، جو قانون اور آئین سے ہٹ کر کام کرتے ہوئے حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور انہیں نافذ کرتا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ قوانین اور آئین کے دائرے سے باہر ایک مضبوط طاقت موجود ہے جو قوم پر کنٹرول رکھتی ہے۔ اس طاقت کا اپنا ایجنڈا ہوتا ہے، اور یہ منتخب حکومت کے فیصلوں کو کمزور یا ناکام بنا سکتی ہے۔

2- **وکی پیڈیا کے مطابق**: "ترکی میں، ڈیپ اسٹیٹ (ترک زبان میں: derin devlet) ایک ایسا گروہ ہے جو ترک سیاسی ڈھانچے کے اندر بااثر، غیر جمہوری اتحادوں پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں انٹیلی جنس اداروں (ملکی اور غیر ملکی)، ترک فوج، سیکیورٹی ایجنسیاں، عدلیہ اور مافیا کے اعلیٰ سطحی عناصر شامل ہوتے ہیں۔۔۔ ڈیپ اسٹیٹ نیٹ ورک کے سیاسی ایجنڈے میں بظاہر قوم پرستی، کارپوریٹ ازم اور ریاستی مفادات سے وفاداری شامل ہے۔ تاریخ میں اس نیٹ ورک نے پر تشدد ذرائع اور دیگر دباؤ کے ہتھکنڈے خفیہ انداز میں استعمال کیے ہیں تاکہ سیاسی اور معاشی اشرافیہ کو قابو میں رکھا جا سکے، اور ایک بظاہر جمہوری سیاسی نظام کے اندر مخصوص مفادات کو یقینی بنایا جا سکے۔"

3- جب ہم ان لوگوں کی ڈیپ اسٹیٹ کے متعلق تعریف یا سمجھ کا جائزہ لیتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ریاستی ڈھانچے کے اندر یا باہر ایک ایسی پوشیدہ قوت کا وجود ہے جو سیاسی نظام کو کنٹرول کرتی ہے، یعنی وہ قانونی طور پر منتخب شدہ سیاست دانوں پر اپنی پالیسیاں، آراء اور رجحانات مسلط کرتی ہے۔۔۔ یہ پوشیدہ قوت افراد کا ایک منظم نیٹ ورک ہوتا ہے جو فوج، سلامتی کے اداروں اور سیاسی قوتوں جیسے حساس مراکز میں سرائیت کر چکا ہوتا ہے، اور منتخب حکومت سے بالکل آزاد ہو کر کام کرتا ہے۔۔۔ بعض اوقات اس نیٹ ورک کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں،

جیسے: "ڈیپ اسٹیٹ (deep state)"، "متوازی ریاست (parallel state)"، "سایہ ریاست (shadow state)" یا "ریاست کے اندر ریاست (state within a state)"۔

4- ایک اور مختلف تعریف وہ ہوتی ہے جو کوئی ناکام سیاست دان، چاہے حکومت میں ہو یا انتخابات میں شکست کھا چکا ہو، اپنی ناکامی کو جواز دینے کے لیے پیش کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، یہ ایک گمراہ کن تصور ہوتا ہے جسے حکمران اس وقت استعمال کرتا ہے جب ملک میں کرپشن، ظلم یا غداری عام ہو چکی ہو۔ یہ حکمران کی طرف سے ایک دھوکہ ہوتا ہے، جو اصل ذمہ داری سے بچنے کے لیے الزام اُن افراد پر ڈال دیتا ہے جو پسِ پردہ ہوتے ہیں اور جنہیں وہ "ڈیپ اسٹیٹ" کا نام دیتا ہے، پھر عوام کو یہ گمان دلاتا ہے کہ وہ بے قصور ہے، حالانکہ حقیقت میں وہی اصل ذمہ دار ہوتا ہے، اور اسی کو ہٹایا جانا چاہیے۔

5- ایک اور دعویٰ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ استعماری طاقتیں ہی اپنی استعماریت میں "ڈیپ اسٹیٹ" کا کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ ان ممالک کے نظاموں کو پسِ پردہ کنٹرول کرتی ہیں، اپنے مفادات کے مطابق بعض حکمرانوں کو برقرار رکھتی ہیں، جبکہ بعض کو ہٹا دیتی ہیں۔

**دوم: سب سے زیادہ قرینِ قیاس تعریف:**

1- ان تمام تعریفات کا بغور جائزہ لینے اور ان کے مفاہیم پر غور کرنے کے بعد سب سے زیادہ قرینِ قیاس تعریف یہ سامنے آتی ہے کہ کسی بھی ملک میں "ڈیپ اسٹیٹ" سے مراد ایک بااثر قوت ہوتی ہے، خواہ وہ سیاسی ہو، اقتصادی ہو، یا ملک کے اندر یا باہر کی کوئی بااثر اشرافیہ (aristocratic families) ہو۔ یہ قوت سرکاری حکومتی ڈھانچے کا باضابطہ حصہ نہیں ہوتی، لیکن وہ ریاست پر خفیہ یا پوشیدہ انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ سرکاری حکومتی اداروں پر مؤثر دباؤ ڈال کر یا تو اپنی مرضی کے فیصلے کرواتی ہے یا ان میں تبدیلی لاتی ہے۔

2- جہاں تک حکمرانوں کی طرف سے لوگوں کو گمراہ کرنے اور اپنی کرپشن، ناکامی یا خیانت کا الزام کسی اور پر ڈالنے کی بات ہے، جسے وہ "ڈیپ اسٹیٹ" کہہ کر پیش کرتے ہیں تاکہ خود کو بری الذمہ ٹھہرا سکیں، تو یہ عمل خود حکمرانوں کی فریب

کاری ہے، نہ کہ کسی اور قوت کی طرف سے اس کے خلاف کی گئی کوئی چال۔ لہٰذا اسے "ڈیپ اسٹیٹ" کہنا درست نہیں بلکہ یہ حکمرانوں کی جانب سے اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کا ایک فریب ہوتا ہے۔

3- جہاں تک استعماری ریاستوں کو "ڈیپ اسٹیٹ" قرار دینے کا تعلق ہے، تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ استعمار پسند ریاستیں وہ ہوتی ہیں جو اپنی نو آبادیات پر براہِ راست قابض ہوتی ہیں اور ان کے لیے غیر ملکی ہوتی ہیں۔ وہ اس ملک کے عوام کا حصہ نہیں ہوتیں، نہ ہی وہ کوئی ایسی خفیہ داخلی قوت ہوتی ہیں جو ملک کے منتخب حکمرانوں سے چھپ کر کام کر رہی ہو، جبکہ وہ حکمران بھی اسی ملک کے عوام سے ہوتے ہیں۔

## سوم: مزید وضاحت کے لیے بعض ممالک میں "ڈیپ اسٹیٹ" کی مثالیں:

1- ترکی [ترکیہ]:

الف: "ڈیپ اسٹیٹ" کی اصطلاح کی ابتدا ترکی سے ہوئی۔ خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور میں "کمیٹی آف یونین اینڈ پراگریس" سے وابستہ ایسے فوجی افسران، جو مغربی نظریات سے متاثر تھے، نے 1909 میں ایک فوجی بغاوت کے ذریعے خلیفہ عبد الحمید ثانی کو معزول کر دیا۔ انہوں نے ان کے بھائی محمد رشاد کو خلیفہ مقرر کیا، مگر اس طرح سے کہ جس میں اصل اختیارات ان افسران کے پاس ہی رہے۔

یہ واقعہ ایک ایسے طبقے کے ابھرنے کی ابتدا تھی جو خلیفہ سے بھی زیادہ طاقتور تھا، اور خلیفہ کے باقی رہنے یا زوال پانے پر اثرانداز ہوتا تھا—اور یہ اثر مخفی نہیں بلکہ ظاہر تھا۔ تاہم، ان افسران نے خلافت اور اسلامی نظام حکومت کو ختم نہیں کیا۔ لہٰذا حقیقت میں یہ "ریاست کے اندر ریاست" یعنی خفیہ ڈیپ اسٹیٹ نہیں تھے، بلکہ وہ ریاست کے اندر اعلانیہ موجود تھے اور حکومت پر کنٹرول رکھتے تھے۔

ب: پہلی جنگِ عظیم کے بعد، مصطفیٰ کمال جو برطانیہ کا وفادار تھا، اقتدار پر قابض ہو گیا اور خلافت کو ختم کرنے، شریعت اور اس کے قوانین کے نفاذ کو منسوخ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جمہوریت کا اعلان کیا اور اسے سیکولر بنیادوں پر قائم کیا۔ اس نے نہ صرف اسلامی حکومت کے خلاف بلکہ اسلام کی ظاہری علامتوں کے خلاف بھی بغاوتیں کیں، جیسا کہ "حروف کی بغاوت" جس میں ترکی زبان کے عربی حروف کو لاطینی حروف سے بدل دیا گیا، یا "مذہبی لباس کی بغاوت" جس میں

اسلامی لباس کو مغربی لباس سے تبدیل کر دیا گیا، وغیرہ۔ یوں، اُس نے فوج اور سیکیورٹی ادارے مخصوص اصولوں پر استوار کیے تاکہ جمہوریت اور سیکولرازم کی حفاظت کی جاسکے اور اسلام کی حکومت میں واپسی اور خلافت کے دوبارہ قیام کو روکا جاسکے۔ فوج ایک ایسی طاقت بن گئی جو حکومت پر کنٹرول رکھتی تھی، اور جب بھی وہ کمال ازم سے انحراف محسوس کرتی، مداخلت کرتی، اور ساتھ ہی برطانیہ کی تابع داری کو برقرار رکھتی۔ کمالی آمریت اور برطانوی سرپرستی نے اس نظامِ حکمرانی کے خلاف کسی بھی "ڈیپ اسٹیٹ" کے وجود میں آنے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔

ج: جب اردگان ترکی میں ووٹوں کے زور پر اقتدار میں آیا، اور اُسے امریکہ کی سیاسی، مالی اور اقتصادی حمایت حاصل تھی، تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فوجی جرنیل، جو سیکولرازم کے محافظ اور برطانیہ کے تابع تھے، ریاست کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر چاہیں تو اُس کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اُس نے جمہوریت اور آزادی کے نعروں کو فروغ دیا، اور عوامی مقبولیت کی طاقت کے ذریعے اُنہیں گھیرے میں لیا تاکہ وہ اس کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں۔ امریکہ نے ترکی کو اپنی مالی اور اقتصادی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اردگان ان فوجی افسران سے خوفزدہ تھا اور اُنہیں برطرف کرنے سے قاصر تھا کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور برسوں سے فوج کے ڈھانچے پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے۔ تاہم، اردگان نے جلد ہی ترکی کی سیاسی زندگی میں ایک نیا منظرنامہ تشکیل دیا، جس کا نمایاں عنوان "جمہوریت" اور "معاشی کامیابی" تھا، اور یہی چیز بغاوت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔

اس دور میں ترکی میں "ڈیپ اسٹیٹ" کی موجودگی کی جو تشریح کی گئی — کہ وہ ریاستی اداروں، خاص طور پر فوج، کے اندر خفیہ طور پر سرگرم تھی، منتخب وزیرِاعظم اردگان کی پالیسیوں کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہی تھی، ان کی مزاحمت کر رہی تھی، اور انہیں ناکام بنانے کی کوششوں میں مصروف تھی — وہ تشریح بالکل بجا تھی۔ یہ افراد ایک منظم نیٹ ورک تھے جن کی شناخت عام سطح پر نظر نہیں آتی تھی، اور وہ لوگ جو حالات کو سطحی نگاہ سے دیکھتے تھے، یہ سمجھتے تھے کہ سب کچھ قانون اور آئین کے مطابق چل رہا ہے۔ یہ ترک نیٹ ورک فوج، عدلیہ، اور وزارتوں کے اندر گھسا ہوا تھا، اور ریاست سے باہر موجود سیکولر جماعتوں سے بھی جڑا ہوا تھا جو اپوزیشن کی نمائندگی کرتی تھیں، اور اس کا مرکز لندن سے منسلک تھا۔ اس کے ارکان خفیہ طور پر ملاقاتیں کرتے، مشورے لیتے اور اردگان کی حکومت کے بارے میں بات چیت کرتے، یہاں تک کہ انہوں نے 2016 میں بغاوت کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن وہ بغاوت ناکام ہو گئی۔ اردگان نے اس ناکامی کو جواز بنا کر فوج سے ان کا

صفایا کیا، اور ان کے پیروکاروں کو عدلیہ، وزارتوں اور یہاں تک کہ یونیورسٹیوں سے بھی نکال دیا۔ یوں اردگان نے برطانیہ کے وفادار "ڈیپ اسٹیٹ" کو ترک فوج سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیابی حاصل کی، اور وہ اس کے خاتمے کے قریب پہنچ گیا۔ تاہم، اس نیٹ ورک کے کچھ کمزور پیروکار اب بھی باقی ہیں، جو حکومت کے خلاف "ڈیپ اسٹیٹ" کے بیانیے کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

**2-امریکہ:**

الف: امریکہ میں حکومت دو حقیقی سطحوں پر مشتمل ہے۔ پہلی سطح وہ ہے جو عوامی جواز کی نمائندگی کرتی ہے، یعنی وہ حکومت جسے عوام انتخابات کے ذریعے منتخب کرتے ہیں، جیسے صدر اور اراکین سینٹ اور کانگریس، اور یہ سطح عوامی خواہشات کے مطابق پالیسیاں نافذ کرتی نظر آتی ہے، لہٰذا یہ ریاست کا ظاہری ڈھانچہ جمہوری معلوم ہوتا ہے۔ تاہم، یہ جمہوری سطح صرف اس وقت پالیسی سازی میں مؤثر ہو سکتی ہے جب دوسری، پوشیدہ اور غیر منتخب سطح کی مرضی اس سے ہم آہنگ ہو۔ یہی دوسری سطح "ڈیپ اسٹیٹ" کہلاتی ہے، جو کہ جمہوری نظام کے اصولوں کے تحت غیر قانونی تصور ہوتی ہے۔ اس ڈیپ اسٹیٹ سے وابستہ افراد ریاست کے حساس ترین اداروں میں تعینات ہوتے ہیں اور ان کا اثر اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ عوامی سطح پر منتخب حکومت ان کے بغیر کوئی مؤثر فیصلہ نہیں کر سکتی۔ امریکہ میں یہ افراد یا تو خود بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں یا ان کے نمائندے، اور وہ اس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ ریاستی اداروں کے اعلیٰ افسران ان کے تجارتی و سیاسی مفادات کا تحفظ کریں۔ مالیاتی اداروں کی خواہش ہوتی ہے کہ ٹیکس محکموں میں ان کے ہم نوا موجود ہوں، اسلحہ ساز کمپنیاں پینٹاگون اور وزارتِ خارجہ پر اپنا اثر قائم رکھتی ہیں، جبکہ دواساز کمپنیاں وزارتِ صحت اور انشورنس شعبے میں اپنی رسائی اور نمائندگی یقینی بناتی ہیں۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کارپوریشنز نے حساس عہدوں پر موجود افراد اور طاقتور لابیز کے ذریعے امریکی ریاست پر عملی کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔

ب: یہی امریکہ کے سیاسی نظام کی حقیقت ہے۔ چنانچہ بڑے سرمایہ دار اور بڑی کارپوریشنز ہی امریکہ میں ڈیپ اسٹیٹ کی اصل بنیاد اور زندہ جڑ ہیں۔ یہ وہ چھپی ہوئی اور پوشیدہ قوت ہے جو ریاست کی سیاسی سمتوں کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے، اور یہی قوت ریاستی اداروں میں موجود حساس عہدوں پر فائز ملازمین کو اس وقت ریاستی پالیسیوں کی مخالفت پر آمادہ کرتی ہے جب وہ پالیسیز ان کارپوریشنز کے مفادات سے متصادم ہوں۔ اس تعریف کے مطابق، ڈیپ اسٹیٹ ایک ایسی طاقت ہے جو

ریاستی ڈھانچے کے اندر بھی موجود ہے اور اس سے باہر بھی، اور یہ مالیاتی، تجارتی اور صنعتی شعبوں میں سرگرم ہے، لیکن اس کی سرگرمی ریاستی اداروں کے اندر نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

ج: جب ڈونلڈ ٹرمپ 2016 میں اقتدار میں آئے تو اُنہیں اعلیٰ حکومتی عہدیداروں اور مختلف ایجنسیوں، بالخصوص سیکیورٹی اداروں میں بے اطمینانی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں اپنی پالیسیوں کی مخالفت اور ردعمل شدت سے محسوس ہوئی، جو بعد ازاں امریکی ریاست کے اندر سے ایسی سخت مزاحمت میں تبدیل ہو گئی جو بظاہر بغاوت کے مترادف محسوس ہونے لگی۔ سیکیورٹی اور انٹیلی جنس اداروں سے شرمناک معلومات کے متعدد لیکس ہوئے... پھر اُن پر کئی مقدمات قائم کیے گئے، جن میں سب سے مشہور روس کی جانب سے اُن کی انتخابی حمایت کا الزام تھا۔ کانگریس میں اُن کے خلاف تحقیقات اور مواخذے کی کوششیں شروع ہو گئیں، یہاں تک کہ امریکی محکمہ انصاف اُن کے سخت ترین مخالفین میں شامل ہو گیا۔ ان پر حملہ صرف ریاست کے اندر سے نہیں تھا، بلکہ دواساز کمپنیاں، جنہوں نے کورونا وائرس کی ویکسین دریافت کرلی تھی، انہوں نے اس اعلان کو اس وقت تک مؤخر رکھا جب تک 2020 کے آخر میں جو بائیڈن کی انتخابی فتح کا اعلان نہ ہو گیا، تاکہ ٹرمپ ان دریافتوں کا انتخابی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ اس منظم، خفیہ طاقت سے تنگ آکر جو ان کے خلاف کام کر رہی تھی، ٹرمپ نے انتخابی نتائج پر شک ظاہر کیا اور انہیں تسلیم نہیں کیا، انہیں دھاندلی زدہ قرار دیا اور کہا کہ اُن کی فتح چُرا لی گئی ہے۔ انہوں نے ریاستی الیکشن کمیشن کو بھی اپنے دشمنوں کی فہرست میں شامل کر لیا۔ 2023 میں صدارت سے سبکدوشی کے بعد ٹیکساس میں اپنے حامیوں سے خطاب کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا: "یا تو ڈیپ اسٹیٹ امریکہ کو تباہ کرے گی، یا ہم ڈیپ اسٹیٹ کو تباہ کریں گے۔" ٹرمپ کے پہلے دورِ حکومت کے دوران امریکہ کی اس حقیقت اور ریاست کے اندر موجود ایک خفیہ طاقت جو منتخب صدر کو راستہ بدلنے سے روکتی ہے، کا تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہی امریکی نظامِ حکومت کی اصل حقیقت ہے۔

د: 21 مارچ 2023 کو ڈونلڈ ٹرمپ نے ایک ویڈیو پیغام میں 10 نکاتی منصوبے کا اعلان کرتے ہوئے کہا: "میں ڈیپ اسٹیٹ کو پاش پاش کر دوں گا، اور حکومت کو عوام کے کنٹرول میں واپس لاؤں گا۔" (کانگریس: برطانوی ڈیلی میل، 21 مارچ 2023)۔ یہ ہے امریکی سیاسی نظام کی حقیقت۔ اس کے مطابق، بڑے سرمایہ دار اور بڑی کارپوریشنز امریکہ میں ڈیپ اسٹیٹ کی اصل اور زندہ جڑ ہیں۔ یہ وہ پوشیدہ، خفیہ طاقت ہے جو ریاست کی سیاسی سمتوں کے پیچھے کام کرتی ہے، اور ریاستی اداروں میں حساس عہدوں پر موجود ملازمین کو اس وقت ریاست کی پالیسیوں کی مخالفت پر آمادہ کرتی ہے جب وہ کارپوریشنز کے مفادات

سے ٹکراتی ہیں۔ اس وضاحت کے مطابق، ڈیپ اسٹیٹ ریاستی نظام کے اندر بھی موجود ہے اور اس سے باہر بھی، اور یہ مالی، کاروباری، اور صنعتی شعبوں میں سرگرم ہے، لیکن اس کی سرگرمیاں امریکی ریاستی نظام کے اندر واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

**3-برطانیہ**

جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے، تو وہاں بھی ایک ڈیپ اسٹیٹ موجود ہے۔ برطانیہ کا حکومتی نظام کنزرویٹو پارٹی، اشرافیہ خاندانوں اور مالدار طبقے پر مشتمل ہے۔ یہی لوگ درحقیقت برطانیہ کے اصل حکمران ہیں۔ تاہم، کبھی کبھار ان کی اعلانیہ پالیسیاں ملک کو بحرانوں کی طرف لے جاتی ہیں، یعنی وہ بعض اوقات ملکی مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا، کنزرویٹو پارٹی پس منظر میں چلی جاتی ہے اور لیبر پارٹی حکومت سنبھال لیتی ہے۔ لیبر پارٹی کا مشن ان بحرانوں کو حل کرنا اور ملک کو نقصان سے بچانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اقتدار سے ہٹ جاتی ہے۔ حالیہ دنوں میں جو کچھ ہم نے دیکھا—یعنی کنزرویٹو پارٹی کی زبردست شکست اور لیبر پارٹی کی بھرپور کامیابی—یہ دراصل خود کنزرویٹو پارٹی کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ بریگزٹ کے بعد برطانیہ شدید معاشی بحران سے دوچار ہے، اور یورپی یونین سے علیحدگی خود کنزرویٹو پارٹی کی جانب سے یورپ پر ریفرنڈم کرانے کی غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ چونکہ یہ بحران کنزرویٹو پارٹی نے پیدا کیا، اس لیے اب لیبر پارٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بحران کو حل کرے۔

برطانیہ میں "ڈیپ اسٹیٹ" دراصل پرانے اور مالدار خاندان ہیں، جو ہمیشہ سے برطانیہ کے حکمران رہے ہیں۔ اگر وہ خود اقتدار سے الگ ہو کر لیبر پارٹی کو حکومت میں لاتے ہیں، تو اس کا مقصد صرف کنزرویٹو پارٹی کے پیدا کردہ بحران کو حل کرنا ہوتا ہے۔ برطانیہ کی ڈیپ اسٹیٹ نہایت نرمی اور آسانی کے ساتھ حکومت پر کنٹرول رکھتی ہے، یعنی برطانیہ کے پرانے اور مالدار خاندان ہی حکومت کا اصل سرچشمہ اور اس کے محافظ ہیں، چاہے وہ براہ راست حکومت کریں یا کسی اور جماعت کو بطور "کرائے دار" استعمال کریں۔ اس کنٹرول کو برقرار رکھنے کے لیے، برطانیہ میں مؤثر حکمرانی کے اس "سرچشمہ" اور "فعال بنیاد" نے ایسی اقدار کو فروغ دیا ہے جو تبدیلی کی مخالفت کرتی ہیں، اور قدامت پسندی و ماضی پر فخر کو اعلیٰ مقام عطا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں شاہی خاندان، اس کی خبریں، کہانیاں، شہزادوں کی سالگرہ اور طرزِ زندگی کو عوامی سطح پر غیر معمولی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

## آخر میں:

- ڈیپ اسٹیٹ دراصل موجودہ حکومت کے اندر اثرورسوخ رکھنے والی ایک قوت ہوتی ہے۔ یہ اس ملک کے شہریوں کا ایک ایسا نیٹ ورک ہوتا ہے جو ملک کے اندر یا بیرون ملک سے خفیہ یا پوشیدہ طریقے سے حکمران طبقے کے خلاف کام کرتا ہے تاکہ اسے کمزور یا تبدیل کیا جاسکے۔
- لیکن اگر یہ نیٹ ورک ملک کے شہریوں پر مشتمل نہ ہو بلکہ کوئی غیر ملکی طاقت ہو، جیسے کوئی استعماری ریاست یا دشمن ملک جو اس کے خلاف سرگرم ہو، تو ایسی قوتوں کو "ڈیپ اسٹیٹ" نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ان کا معاملہ استعمار، جنگ، اور جارحیت کے زمرے میں آتا ہے۔
- اسی طرح، اگر یہ نیٹ ورک خود حکمران طبقے کی جانب سے تیار کیا گیا ہو تاکہ ریاست اور اس کے منصوبوں کے خلاف ہونے والے کاموں کا الزام اس پر ڈال کر حکمران کو بری الذمہ ظاہر کیا جائے، اور عوام کو حکمران کی کرپشن اور نااہلی سے دھوکہ دیا جائے، تو ایسا نیٹ ورک "ڈیپ اسٹیٹ" نہیں کہلاتا۔
- خلاصہ یہ ہے کہ ڈیپ اسٹیٹ ایک ایسا نیٹ ورک ہوتا ہے جو ملک کے اندر یا باہر سے اسی ملک کے افراد پر مشتمل ہو، اور وہ موجودہ حکومت کے خلاف کام کر رہا ہو تاکہ اسے کمزور یا تبدیل کیا جاسکے۔ اس مفہوم میں یہ صرف اُن ممالک میں موجود ہوتا ہے جہاں انسانی ساختہ قوانین کے تحت حکومت ہوتی ہے، اور جہاں مختلف نیٹ ورکس کے درمیان اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ کس قسم کا انسانی قانون نافذ ہونا چاہیے، جس کے نتیجے میں آپس میں تصادم ہوتا ہے۔

- اگر حکومت کا نظام ربّ العالمین کے نازل کردہ احکام پر مبنی ہو، تو پھر مسلمان، خواہ وہ ملک کے اندر ہوں یا باہر، ایسا کوئی "ڈیپ اسٹیٹ" نیٹ ورک قائم نہیں کرسکتے جو اسلامی نظام حکومت کو کسی اور قانون سے بدلنے کے لیے کام کرے۔ ہاں، اگر کوئی مسلمان اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک ایسا قدم اٹھائے بھی، تو وہ عموماً کسی بیرونی استعماری یا جارح قوت کے اثرودباؤ میں ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ "ڈیپ اسٹیٹ" کے زمرے میں نہیں آتا، جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے۔

لہٰذا، بعض مسلم ممالک میں جو تبدیلیاں یا بغاوتیں دیکھی جاتی ہیں — جیسے پاکستان، بنگلہ دیش، مصر وغیرہ میں ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں — ان کو "ڈیپ اسٹیٹ" نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ان ممالک میں اصل محرک قوت وہ استعماری طاقتیں ہیں جن کے یہ ممالک غلام یا ایجنٹ بنے ہوئے ہیں۔

اگر مسلم ممالک میں، جو انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت حکومت کر رہی ہو، کوئی تحریک ہو اور یہ تحریک مسلم ممالک میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اسلام کے نظام، یعنی خلافت راشدہ سے بدلنے کے لیے کام کر رہی ہو، تو اسے "ڈیپ اسٹیٹ" نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی نصرۃ کی تحریک ہے۔

ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مدد اور کامیابی کی دعا کرتے ہیں تاکہ خلافت راشدہ کا قیام دوبارہ ہو سکے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو فتح ملے اور کفر و کفار ذلیل ہوں: **﴿وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾** "اللہ نے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنا دے گا، جیسے اُن سے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا تھا۔" (النور:55)۔

6 ذی القعدہ 1446ھ

بمطابق 04 مئی، 2025 عیسوی

فہرست

# سوال کا جواب: بھارت، پاکستان اور جنگ بندی

**سوال:**

گزشتہ ہفتے والے دن، ٹرمپ نے اچانک اپنے ٹروتھ سوشل اکاؤنٹ پر ایک پوسٹ میں اعلان کیا کہ ("رات بھر امریکہ کی ثالثی میں طویل بات چیت کے بعد، مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ بھارت اور پاکستان ایک جامع اور فوری جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں" اس نے "دونوں ممالک کو دانشمندی اور عظیم ذہانت کا مظاہرہ کرنے پر سراہا"۔ الجزیرہ، 11/5/2025)۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی میں 22 اپریل 2025 کو ہندوستانی زیر انتظام جموں و کشمیر کے پہلگام کے بائسارن وادی میں سیاحوں پر ہونے والے حملے کے بعد اضافہ ہوا تھا، جس میں 25 ہندوستانی اور ایک نیپالی ہلاک ہوئے تھے۔ 23 اپریل 2025 کو بھارت نے پاکستان کے خلاف تعزیری اقدامات کے ایک سلسلے کے طور پر 1960 کے سندھ طاس معاہدے پر عمل درآمد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں پاکستان نے 1972 کے شملہ معاہدے پر عمل درآمد معطل کرنے کا اعلان کیا جو دوطرفہ تعلقات کو منظم کرتا ہے۔ 7 مئی کو بھارت نے "آپریشن سندور" کے نام سے ایک فوجی کارروائی کا اعلان کیا، جس کے بعد پاکستان نے اس کا مؤثر جواب دیا۔ اور اب جیسا کہ ٹرمپ نے اعلان کیا ہے کہ جنگ بندی کے لیے ان کی ثالثی کامیاب ہو گئی ہے۔ تو اس کشیدگی اور تنازعے کی حقیقت کیا ہے؟ اور خاص طور پر سندھ طاس معاہدہ کیا ہے جسے بھارت نے عارضی طور پر معطل کیا ہوا ہے؟ اور کیا امریکہ کا اس حملے کو شروع کرنے میں کوئی ہاتھ ہے جیسا کہ اسے روکنے میں ہے؟

**جواب:**

ان سوالات کے جواب کو واضح کرنے کے لیے درج ذیل حقائق کا جائزہ لینا ضروری ہے:

1- بھارتیا جنتا پارٹی، جو اٹل بہاری واجپائی کی قیادت میں 1998 سے 2004 تک بھارت میں اقتدار میں رہی، اور پھر 10 سال تک برطانیہ نواز کانگریس پارٹی کی حکومت کے بعد 2014 میں نریندر مودی کی قیادت میں دوبارہ اقتدار میں آئی، یہ پارٹی امریکہ نواز ہے اور اس کی یوریشیائی حکمت عملی کا حصہ ہے، جس کا مقصد چین کا مقابلہ کرنا اور اُسے گھیرنا ہے۔ یہ واضح ہے کہ امریکہ کے مشرق بعید میں قلیل مدتی مفادات ہی 2014 میں ہندو متعصب مودی کے جیتنے کے پیچھے کارفرما تھے اور امریکہ

اب بھی اس کی حمایت کر رہا ہے۔ اور نریندر مودی نے ہمیشہ امریکی مفادات ہی کو ترجیح دی ہے—چاہے وہ 2019 میں کشمیر کا انضمام ہو، یا 2014، 2017 اور 2020 میں چین کے ساتھ سرحدی جھڑپیں، افغانستان میں امریکی ایجنڈے کی حمایت ہو، یا پاکستان و چین کی اقتصادی راہداری (CPEC) کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں ہوں۔

2- 2014 میں مودی کے بھارت میں اقتدار میں آنے کے بعد، امریکہ نے بھارت کو چین پر دباؤ بڑھانے، اسے گھیرنے، اور اسے اپنے اردگرد کے علاقوں پر کنٹرول کرنے سے روکنے، اور اسے اپنی سرزمین تک محدود رکھنے کے لیے مؤثر طریقے سے استعمال کیا۔ خاص طور پر چونکہ امریکہ نے چین کے خلاف اقتصادی جنگ کا اعلان کیا ہے اور ٹرمپ نے چینی اشیاء پر بھاری کسٹم ڈیوٹی لگائی ہے۔ ان اضافی کسٹم ڈیوٹیز کے ذریعے ٹرمپ کا مقصد، چینی معیشت کو کمزور کرنا ہے۔ خبریں پھیل رہی ہیں کہ بڑی ٹیکنالوجی کمپنیاں، جیسے آئی فون، کسٹم ڈیوٹیز میں بڑے اضافے کے نتیجے میں اپنی فیکٹریاں بھارت منتقل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ (ایپل کمپنی نے انکشاف کیا ہے کہ وہ امریکہ میں فروخت ہونے والے تمام آئی فونز کی اسمبلی آپریشنز کو بھارت منتقل کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے، جیسا کہ "فنانشل ٹائمز" اخبار نے اطلاع دی ہے۔ یورونیوز، 2025/4/26) اس طرح، چین کا مقابلہ کرنے کی اپنی حکمت عملی کے فریم ورک میں، امریکہ، بھارت کو خطے کی ایک مظبوط اقتصادی اور فوجی طاقت بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

3- اور اس کے لیے جہاں ایک طرف بھارت کو فوجی اور اقتصادی طاقت کے ذرائع سے مدد فراہم کرنا ضروری ہے، وہیں دوسری طرف بھارت کے پاکستان کے ساتھ مسائل کو حل کرنا بھی ضروری ہے، اگرچہ ان دونوں ممالک کی حکومتیں امریکہ نواز ہیں اور اس کی ایجنٹ ہیں، تاکہ بھارت چین پر اپنی توجہ مرکوز کر سکے۔

**پہلا پہلو:** امریکہ نے بھارت اور اس کی فوج کو ہر ممکن معاونت فراہم کی—جن میں ایک اہم قدم بھارت کو امریکی جوہری ٹیکنالوجی کی فراہمی بھی شامل ہے۔ واشنگٹن میں بھارتی وزیرِ اعظم اور صدر ٹرمپ کی ملاقات کے دوران چین کا مقابلہ کرنے کا موضوع نمایاں طور پر زیرِ بحث رہا۔ (دونوں رہنماؤں نے ایشیا پیسیفک خطے میں "کواڈ" سیکورٹی اتحاد کو مضبوط بنانے پر بھی تبادلہ خیال کیا جس میں جاپان اور آسٹریلیا بھی شامل ہیں۔ بھارت اس سال کے آخر میں اس گروپ کے رہنماؤں کی میزبانی

کرنے والا ہے جسے چین کی بڑھتی ہوئی فوجی سرگرمیوں کے خلاف ایک توازن کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ رائٹرز، 2025/2/14)۔

**دوسرے پہلو میں نمایاں مسائل یہ تھے:**

الف- سرحد پر موجود پاکستانی افواج، بھارتی افواج کی چین کی جانب منتقلی کو محدود کرتی ہیں۔ اسی لیے امریکہ نے پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ اپنی افواج کو بھارتی سرحد سے ہٹا کر وزیرستان کے قبائلی علاقوں میں تحریک طالبان پاکستان سے لڑنے، بلوچستان میں بلوچستان لبریشن آرمی کے خلاف کارروائی، اور افغان سرحد پر تعیناتی کے لیے منتقل کرے، تاکہ بھارت کو چین کا مقابلہ کرنے میں آزادی حاصل ہو، اور وہ اپنی فوجیں پاکستانی سرحد پر تعینات رکھنے کے بجائے چینی سرحد کی طرف منتقل کر سکے۔ پھر امریکہ نے پاکستان سے ایک کے بعد ایک رعایت مانگنا شروع کر دی تاکہ بھارت کو پاکستان سے محاذ آرائی سے دستبردار ہونے اور اسے چین کے ساتھ محاذ آرائی میں لانے میں آسانی ہو۔ اور اسی لیے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، پاکستان نے اپنے کئی فوجی دستے بھارت کے ساتھ سرحد سے ہٹا کر ملک کے اندرونی معاملات میں جھونک دیے، اور انہیں پاکستان میں جہادی گروہوں کے خلاف کارروائیوں میں استعمال کیا، نیز افغانستان میں تحریکِ طالبان کے ساتھ جھڑپوں میں بھی مصروف کر دیا۔

ب- کشمیر کا تنازعہ، جسے بھارت نے 2019/8/5 کے اپنے فیصلے سے ضم کر لیا تھا: ہم نے 2019/8/18 کے سوال کے جواب میں کہا:

"11 ستمبر 2001 کے واقعات کے فوراً بعد، بش انتظامیہ نے اپنی توجہ بھارت پر مرکوز کی، اور اپنے متعدد اقدامات کا رخ بھارت اور چین کے درمیان فوجی عدم توازن کو امریکی منصوبوں کے مطابق توازن میں لانے کی جانب موڑ دیا۔ ان اقدامات میں بھارت کے ساتھ امریکی جوہری معاہدہ بھی شامل تھا...

-امریکہ نے دیکھا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر پر کشیدگی چین کے خلاف بھارت کے محاذ آرائی کو کمزور کر رہی ہے۔ اور ان کشیدگیوں پر قابو پانے کے لیے، امریکہ نے بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کا عمل شروع کیا، اور ان تعلقات کو معمول پر لانے کا مقصد ہندوستانی اور پاکستانی افواج کو کشمیر کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑنے سے روکنا تھا، اور چین کے عروج کو محدود کرنے کے لیے امریکہ کے ساتھ تعاون کرنے کی طرف کوششوں کو موڑنا تھا۔ امریکہ یہ گمان کرتا تھا کہ اگر کشمیر کو بھارت میں ضم کر دیا جائے، اور پاکستان کی حکومت پر دباؤ ڈال کر اُسے عسکری راستہ اختیار کرنے سے روک دیا جائے، نیز معاملے کو محض مذاکرات تک محدود کر دیا جائے، تو مسئلہ ختم ہو جائے گا اور دونوں ممالک کے درمیان کوئی فوجی تصادم نہیں ہو گا۔ یہ بالکل ویسا ہی ماڈل ہے جیسا فلسطین میں محمود عباس کی اتھارٹی اور اس کے ارد گرد موجود عرب ریاستوں کے ساتھ ہے، جن کا یہودی وجود سے کوئی عسکری تنازعہ نہیں، حالانکہ وہ (یہودی وجود) جب چاہے فلسطین کے کسی بھی حصے پر قبضہ کر لیتی ہے اور جب چاہے اُسے ضم کر لیتی ہے۔ اسی سوچ کے تحت نریندر مودی نے جموں و کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے اور وہاں آبادیاتی تبدیلی کا منصوبہ شروع کیا، اور 5 اگست 2019 کو بھارتی آئین کے آرٹیکل 370 کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔) امریکہ کا یہ خیال کہ بھارت کے زیرِ انتظام کشمیر کا انضمام مسلمانوں کو کشمیر کو بھلانے پر مجبور کر دے گا، اور یوں بھارت اور پاکستان کے درمیان کوئی مسئلہ باقی نہیں رہے گا، اس مفروضے پر مبنی تھا کہ دونوں ممالک کی حکومتیں فی الحال امریکی پالیسی کے تابع ہیں۔ تاہم، اس سوچ میں یا تو امریکہ یہ حقیقت بھول گیا، یا پھر اُس نے اور بھارت نے دانستہ طور پر نظر انداز کیا کہ کشمیر صرف ایک زمینی تنازع نہیں بلکہ مسلمانوں کے عقیدے کا مسئلہ ہے—اور ان شاء اللہ، کشمیر ایک دن مسلمانوں کے پاس ضرور واپس آئے گا"۔

ج-پاکستان کے ساتھ پانی کی تقسیم کا مسئلہ: بھارت موجودہ سندھ طاس معاہدے پر نظر ثانی کرنا چاہتا تھا۔ بھارت طویل عرصے سے 1960 میں عالمی بینک کی ثالثی میں نو سال تک جاری رہنے والے مذاکرات کے بعد دستخط کیے گئے سندھ طاس معاہدے پر نظر ثانی کی کوشش کر رہا ہے، جس کی وجہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی بتائی جاتی ہے، جبکہ پاکستان اس پر نظر ثانی کے کسی بھی دوبارہ مذاکرات کو مسترد کرتا ہے۔ "انڈیا ٹوڈے" اخبار نے، نامعلوم ذرائع کے حوالے سے، بتایا (کہ بھارت نے دریائے چناب پر بگلہار ڈیم کی مدد سے پاکستان کی ظرف پانی کا بہاؤ روک دیا ہے۔ اخبار نے اشارہ کیا کہ بھارت دریائے جہلم پر کشن گنگا ڈیم کے ذریعے بھی پانی کا بہاؤ روکنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اناطولیہ، 5/5/2025) اس معاہدے کو بھارت کی طرف سے

یکطرفہ طور پر معطل کرنے اور برسوں سے اس پر مسلسل نظر ثانی کا مطالبہ کرنے کے پیش نظر، مودی حکومت کا پہلگام حملے کے بعد معاہدے کو معطل کرنے کے اقدام کو پاکستان پر دباؤ ڈالنے اور اسے نظر ثانی کے مطالبے کو ماننے پر مجبور کرنے کی کوشش کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔(گزشتہ چند سالوں میں، ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی کی حکومت نے معاہدے پر دوبارہ مذاکرات کی کوشش کی ہے، اور دونوں ممالک نے ہیگ کی مستقل ثالثی عدالت میں کشن گنگا اور راتل پن بجلی منصوبوں کے پانی کے ذخیرہ کرنے کے حجم کے بارے میں اپنے کچھ اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے... عربی 21، 2025/04/27)

اور یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ سندھ طاس معاہدہ (ISA) بھارت اور پاکستان کے درمیان پانی کی تقسیم کا ایک معاہدہ ہے۔ اس پر مذاکرات اور اس کی تیاری عالمی بینک کی سرپرستی میں ہوئی تھی اور اس اہم معاہدے پر 19 ستمبر 1960 کو کراچی شہر میں دستخط کیے گئے تھے۔ پاکستان کو سندھ طاس کے مغربی حصے میں تین دریاؤں (دریائے جہلم، دریائے چناب، اور خود دریائے سندھ) کے پانی سے مستفید ہونے کے حقوق دیے گئے تھے، جبکہ بھارت نے مشرقی تین دریاؤں (دریائے ستلج، دریائے بیاس، اور دریائے راوی) کے پانی پر مکمل کنٹرول برقرار رکھا تھا۔

د- کشمیر میں جہادی تحریکیں: یہ تحریکیں بھارت کے لیے تشویش کا باعث ہیں لہٰذا امریکہ ایک جنگ شروع کرنا چاہتا تھا تاکہ بھارت، کشمیر میں ان تحریکوں کی جڑوں پر حملہ کرنے کا جواز پیدا کر سکے اور پاکستان کی حکومت کو پاکستان کے اندر ان تحریکوں پر حملے میں شامل کرنے کی کوشش کر سکے۔ اور یہ دو مراحل میں ہوا:

پہلا: کشمیر میں ایک حملے کو بہانہ بنا کر، جس کا الزام ان تحریکوں پر لگایا جائے، اس حملے کو پاکستان میں ان تحریکوں کے ٹھکانوں کے خلاف بڑے فوجی آپریشن کی بنیاد کے طور پر استعمال کیا جائے، جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور کشمیر میں ان تحریکوں کی جڑوں کے خلاف کاروائی کی جائے اور وہاں کے مسلمانوں کو اس بہانے سے قتل یا بے دخل کیا جائے کہ وہ ان تحریکوں کی حمایت کرتے ہیں، جیسا کہ یہودی وجود غزہ میں موجود رہائشیوں پر مزاحمت کی حمایت کا بہانہ بنا کر ان کا قتل عام کرتا ہے۔ پھر اس مرحلے میں پاکستان کی حکومت کو شرمندہ کرنا شامل تھا تاکہ وہ کشمیر کی مدد نہ کر سکے کیونکہ یہ حملہ ان تحریکوں نے شروع کیا تھا!

اوریوں بھارت نے امریکہ کے حکم پر کشمیر میں یہ مصنوعی حملہ شروع کیا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے:

-22 اپریل 2025 کو ہندوستانی زیر انتظام کشمیر کے پہلگام کے بائسارن وادی میں سیاحوں کو نشانہ بنانے والا حملہ، جس کا بھارت دعویٰ کرتا ہے کہ یہ پاکستان کی حمایت یافتہ ایک مسلح گروہ نے کیا ہے، جبکہ پاکستان اس کی تردید کرتا ہے، یہ حملہ 22/4/2025 کو کشمیر میں اس وقت ہوا جب امریکی نائب صدر جے ڈی ونس نئی دہلی میں موجود تھے۔ ("جے ڈی ونس" امریکی نائب صدر آج پیر کو چار روزہ دورے کے لیے بھارت پہنچ گئے ہیں، جس کے دوران وہ وزیر اعظم "نریندر مودی" سے بات چیت کریں گے۔ بحرین نیوز ایجنسی، 21/4/2025)، اور بھارت نے اس امریکی عہدیدار کی نئی دہلی میں موجودگی کے دوران، پاکستان کے خلاف اپنے تمام ابتدائی اقدامات کیے، بشمول سندھ طاس معاہدے کو معطل کرنا، جو امریکہ اور بھارت کے درمیان ہم آہنگی کی نشاندہی کرتا ہے، اور یہ فرض کرنا بالکل بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ سب محض اتفاق تھا۔

-22 اپریل کو حملے کے چند منٹوں بعد ہی، کسی بھی تحقیقات یا تفتیشی کارروائی کے آغاز کے بغیر، ہندوستانی حکومت نے پاکستان پر الزام عائد کرنے میں تیزی دکھائی، حالانکہ پاکستان نے واقعے کی بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ، ہندوستانی میڈیا کوریج نے فوری طور پر "مزاحمتی اتحاد' (TRF) کی طرف اشارہ کیا، جسے لشکر طیبہ (LET) کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ تنظیم نے حملے میں ملوث ہونے کی تردید کی تھی۔ یہ سب کچھ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ ایک "مصنوعی" کارروائی تھی۔ ('مزاحمتی اتحاد (TRF)' نے سوشل میڈیا پر حملے کی ذمہ داری قبول کی، پھر بعد میں اس سے دستبردار ہو گئی، اور اس کی وجہ الیکٹرانک ہیکنگ بتائی گئی... سائٹ 24، 30/04/2025)۔

پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوا، چنانچہ بھارت نے 6/5/2025 کی شام کو پاکستان پر میزائل حملہ کیا اور یہ صرف پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر تک محدود نہیں تھا جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، بلکہ پنجاب کے صوبے میں بھی اہداف کو نشانہ بنایا گیا۔ جبکہ پاکستان نے ابتدا میں بھارت کے اندر اہداف کو نشانہ بنا کر جواب نہیں دیا بلکہ سرحدی جھڑپوں اور بھارت کے طیارے سرحد پر گرانے پر ہی اکتفا کیا۔ پھر بھارت نے پاکستان پر حملے کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ اس نے پاکستانی فوج کے اہداف پر حملہ نہیں کیا اور صرف "دہشت گردوں" پر حملہ کیا۔ العربی ٹیلی ویژن، 7/5/2025)، اور دونوں فریقوں کے درمیان جھڑپیں بڑھتی رہیں۔ (بھارتی اور پاکستانی افواج کے درمیان کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے ساتھ شدید

جھڑپیں ہوئیں، اور ہندوستانی میڈیا کے مطابق کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے ساتھ دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں اور ہلاکتوں کی خبریں آئیں... العربیہ، 9/5/2025)۔ بھارت نے اپنے 3 طیارے گرنے کا اعتراف کیا، اور پاکستانی حملوں کے نتیجے میں اپنے زیر کنٹرول کشمیر میں 7 شہریوں کی ہلاکت کا اعلان کیا۔ جبکہ پاکستان نے کہا کہ اس نے 5 ہندوستانی طیارے گرائے ہیں جن میں تین فرانسیسی ساختہ رافیل شامل ہیں اور اسی طرح 25 یہودی وجود کے ساختہ ڈرونز بھی گرائے ہیں۔ پاکستان کے وزیر اعظم، شہباز شریف، نے کہا (ہم ہندوستانی حملے کے جواب میں 10 ہندوستانی جنگی طیارے گرا سکتے تھے جس نے پاکستانی ٹھکانوں کو نشانہ بنایا تھا، لیکن فوج کے کمانڈروں نے تحمل کا مظاہرہ کیا اور 5 طیارے گرائے... "الشرق نیوز، 7/5/2025)۔ پاکستانی فوج کے ترجمان احمد شریف چوہدری نے اعلان کیا کہ فوج نے 26 فوجی تنصیبات پر گولہ باری کی اور درجنوں ڈرون طیارے ہندوستان کے بڑے شہروں، بشمول دارالحکومت نئی دہلی، کے اوپر اُڑائے گئے"... اسکائی نیوز، 10/5/2025)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان ایک بڑا اور وسیع حملہ کرنے اور بھارت کے ساتھ محاذ آرائی میں شامل ہونے اور اسے شکست دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ لیکن وہ امریکہ کے تابع ہے جو اسے اس طرح کی محاذ آرائی کی اجازت نہیں دیتا اور اسے بھارت کو عبرتناک شکست دینے سے روکتا ہے جس سے اس کے ایجنٹ مودی کی حکومت گر جائے۔ اور حالانکہ امریکہ، پاکستان میں موجود ایجنٹ حکومت پر دباؤ ڈالنے میں کامیاب رہا تاکہ وہ ہندوستانی جارحیت کا محدود جواب دینے پر اکتفا کرے، لیکن اس محدود جواب سے بھی جو کچھ سامنے آیا وہ پاکستان میں مسلمان سپاہیوں کی بہادری اور لڑنے کے لیے ان کے زبردست جذبے کو ظاہر کرتا ہے، یہاں تک کہ پاکستان میں حکومت کی امریکہ کے ساتھ سازباز اور فوج کی نقل و حرکت پر پابندی کے باوجود بھی اس مسلمان فوج نے مشرک دشمن کو مؤثر نقصان پہنچایا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس سب نے امریکہ کو مجبور کیا کہ وہ جنگی منصوبے کو اسی طرح ختم کر دے جس طرح اس نے اسے شروع کیا تھا، اور جارحیت کو روکنے کا سہارا لے جو اس نے خود شروع کی تھی، اور جنگی منصوبے کو دونوں ایجنٹ حکومتوں، بھارت اور پاکستان کے درمیان سیاسی مذاکرات کی بدکاری میں تبدیل کر دے، تاکہ بھارت کو وہ حاصل ہو جائے جو وہ فوجی جارحیت سے حاصل نہیں کر سکا۔

**4-** اس لیے ہندوستانی حملے کے چار دن بعد، 10/5/2025 کو امریکی احکامات پر جنگ بندی کا اعلان کیا گیا۔ امریکی صدر ٹرمپ نے 10/5/2025 کو اپنے ٹروتھ سوشل اکاؤنٹ پر لکھا ("امریکہ کی جانب سے رات کی طویل بات چیت کے بعد، مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ بھارت اور پاکستان ایک جامع اور فوری جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں۔ میں

دونوں ممالک کو دانشمندی اور اعلیٰ ذہانت کا مظاہرہ کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس معاملے پر توجہ دینے کا شکریہ")۔ امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے 10 مئی 2025 کو اپنے ایکس اکاؤنٹ پر کہا کہ "ہندوستانی اور پاکستانی حکومتیں فوری جنگ بندی اور غیر جانبدار مقام پر وسیع مسائل پر بات چیت شروع کرنے پر متفق ہو گئی ہیں"۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ اور نائب صدر جے ڈی ونس نے گزشتہ دو دنوں میں ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی، پاکستانی وزیر اعظم شہباز شریف، ہندوستانی وزیر خارجہ سبرامنیم جے شنکر، پاکستانی فوج کے سربراہ عاصم منیر، ہندوستانی قومی سلامتی کے مشیر اجیت ڈوول اور پاکستانی قومی سلامتی کے مشیر عاصم ملک کے ساتھ مل کر ایک معاہدے پر پہنچنے کے لیے کام کیا ہے")۔ یعنی امریکہ پاکستانی فوج کی بہادری کا اندازہ نہیں لگا سکا حالانکہ اس کی قیادت اس کے وفادار تھی، چنانچہ امریکہ کو ڈر لگ گیا کہ جنگ جاری رہنے سے مودی اپنا اقتدار کھو دے گا، بجائے اس کے کہ مودی وہ کچھ کرے جو امریکہ نے اسے چین کے مقابلے میں کرنے کو کہا تھا! اور پھر اس نے جنگ روکنے کا حکم دیا اور دونوں ایجنٹ حکومتوں کے درمیان مذاکرات سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سیاسی بدکاری کا سہارا لیا۔

5- اور آخر میں حزب التحریر عام مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستان کے مسلمانوں کو خبر دار کرتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں، خاص طور پر ہندوستان میں مشرک ہندوؤں اور فلسطین میں یہودیوں کے ساتھ جاری سیاسی بدکاری اور مذاکرات کوئی خیر پیدا نہیں کریں گے، خاص طور پر جبکہ استعماری کافر امریکہ ہی ان کی قیادت کر رہا ہو جیسا کہ اب ہو رہا ہے، کیونکہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور ہمارے رسول ﷺ نے ان سے جنگ کرنے اور ان پر فتح حاصل کرنے کی خبر دی ہے، اور اس میں بڑا اجر ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **«لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ...» "یقیناً تم یہودیوں سے جنگ کرو گے اور یقیناً انہیں قتل کرو گے..."**، اور احمد اور نسائی نے ثوبان سے جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللهُ مِنَ النَّارِ؛ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ، وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامِ» "میری امت کے دو گروہوں کو اللہ نے جہنم سے محفوظ کر لیا ہے؛ ایک گروہ جو ہند پر حملہ کرے گا، اور ایک گروہ جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گا"** چنانچہ فلسطین میں یہودیوں سے جنگ اور ان کو قتل کرنا، اور ہند کا فتح ہونا اور اسلام کا وہاں غالب آنا ان شاء اللہ ضرور ہو گا، یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کا حقیقی اور

معتبر فرمان ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ مدد آسمان سے خود بہ خود نہیں آئے گی، کہ فرشتے ہمارے پاس آ کر اسے لے آئیں جبکہ ہم محنت و کوشش سے غافل ہوں۔ بلکہ ہمیں خود محنت کرنی ہو گی، دل میں سچائی اور اخلاص لانا ہو گا، تب ہی اللہ کی مدد نازل ہو گی۔ پاکستان کے لوگوں سے ہمیں خیر کی توقع ہے کیونکہ یہ ایک مضبوط اسلامی ملک ہے جس کی بنیادیں اسلام پر گہری ہیں، اور یہاں کے مسلمانوں کے دل خلافت کے قیام کی تڑپ سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کی فوج اللہ کی راہ میں جہاد سے محبت کرتی ہے۔ ان شاء اللہ وہ دن قریب ہے جب ایسا رہنما آئے گا جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولے گا اور اللہ کی نصرت حاصل کرے گا...، اور پھر نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق اس جبر کے دور کے بعد جس میں ہم رہ رہے ہیں، نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت راشدہ کا قیام ہو گی۔ احمد نے اپنی مسند میں حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«....ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» "...پھر جبر کی بادشاہت ہو گی، تو جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گی، پھر جب چاہے گا اسے اٹھا لے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"**۔ اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ **﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست ہے، نہایت رحم کرنے والا ہے"** (سورۃ الروم: آیت 05-04)۔

**17 ذی القعدہ 1446ھ**

**بمطابق 15 مئی 2025ء**

**#امیر_حزب_التحریر**

فہرست

# غزہ! غزہ! اے شیر دل جوانو!

# اے شاہینو! اے افواج!

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

یہود نے پچھلے کئی دنوں کے دوران بمباری کر کے سینکڑوں فلسطینیوں کو شہید کر دیا جن کی کٹی پھٹی لاشوں، سروں سے جدا تن، اور جسم کے اعضاء سے گلی کوچے بھر گئے۔ لوگ اپنی آخری وصیتیں لکھ چکے ہیں۔ اور اپنے بچوں کے ہاتھوں پر ان کے نام درج کر رہے ہیں تاکہ مسخ شدہ لاشوں میں انہیں پہچانا جا سکے! یہ اس کے علاوہ ہے کہ تین مارچ سے اب تک غزہ میں کھانے کی فراہمی مکمل طور پر بند کر دی گئی ہے اور لوگ جبری فاقہ کشی سے دوچار ہیں۔ اور اب یہود نے آپریشن "گیڈینز چیریٹس" (Gideon's Chariots) کا آغاز کر دیا ہے جس کے تحت غزہ کے بچے کچھے افراد کو یا تو قتل یا پھر جلاوطن کر دیا جائے گا۔ یہود کے اس تکبر کی وجہ یہ ہے کہ مسلم افواج کو اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کے فرض سے روک کر، محض قومی سرحدوں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ "اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان کمزور اور بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے، جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور اللہ سے فریاد کرتے ہیں، کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی مُقّرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا"۔ (سورۃ النساء:4:75)

**اے افواج پاکستان!** ہندو ریاست کے ساتھ حالیہ چپقلش میں ایک بار پھر آپ نے دیکھ لیا کہ عزت صرف اور صرف کفار کے ساتھ جہاد میں ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کیسے مشرق سے لے کر مغرب تک امت، آپ کے پیچھے، دائیں اور بائیں، آپ کے بازو اور کندھے بن کر کھڑی ہو گئی۔ آپ نے جان لیا کہ آپ کے حکمرانوں کا بیانیہ کہ "ہندو ریاست بہت مضبوط ہے اور

ہم اس کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے" جھوٹا تھا۔ آپ کی ایک ضرب نے آپ کو اور کفار کو آپ کی طاقت کا احساس دلا دیا۔ یہی صورتحال یہود اور امریکہ کی ہے، جنہوں نے کبھی کسی مخلص قیادت کے نیچے مسلم ریاست کی فوج سے جنگ نہیں کی۔ حتیٰ کہ یہ تو ایک ملیشیا کو بھی شکست دینے کے قابل نہیں۔ تو آگے بڑھو! اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اس خطے میں امریکی طاقت اور یہودی وجود کی بقا محض مسلم حکمرانوں کی مرہون منت ہے۔ یہ حکمران ٹرمپ کو مسلمانوں کی سرزمین پر خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور اس کو اپنے مسائل کی ثالثی کے لیے درخواستیں دے رہے ہیں اور اس کی خوشامد اور منت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہیں اور اس کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کا سرمایہ اور ان کے خون کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔

**اے افواج پاکستان!** کیا اس عزت اور فتح کے بعد جو اللہ نے حال ہی میں آپ کو عطا کی ہے آپ واپس بیرکوں میں چلے جاؤ گے اور یہ گوارا کرلو گے کہ مسلم حکمران مسلم سرزمین پر ٹرمپ اور امریکہ کی حکومت کو دوام بخش دیں؟ یہ امت جہاد کی امت ہے، یہ نبی مَلْحَمه (جہاد کے نبی) کی امت ہے۔ جہاد اس امت کی زندگی ہے، اور آپ ہی جہاد میں اس کا ہراول دستہ ہو۔ کیا آپ یہ تڑپ نہیں رکھتے کہ آپ مسجد اقصیٰ کو یہود کی نجاست سے آزاد کرا کے اس میں صلاۃِ فتح ادا کرو۔ غزہ پکار رہا ہے، جواب دو، اے امت کے شیر دل جوانو! غزہ کی خاطر وہ کر دکھاؤ جو آج تک تم نے نہیں کیا! قومی سرحدوں کو مٹا دو! قومی ریاست کی قید سے آزادی کا اعلان کر دو! ایک خلیفہ کی تقرری کے لیے اپنی نُصرۃ فراہم کرو!

**غزہ غزہ اے شیر دل جوانو!**

**غزہ غزہ اے شاہینو!**

**غزہ غزہ اے افواج!**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «**لَتُقَاتِلُنَّ الْيَهُودَ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ، حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ: يَا مُسْلِمُ، هَذَا يَهُودِيٌّ فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ**» "تم ضرور یہودیوں سے لڑو گے اور تم انہیں قتل کرو گے حتیٰ کہ ایک پتھر پکار اُٹھے گا: ادھر آؤ اے مسلمان! یہاں ایک یہودی میرے پیچھے چھپا ہے؛ اسے قتل کر دو" (صحیح مسلم)

[فہرست]

# نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ ٔراشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)۔